قرآن وسنت اور اسلاف امت کی تعلیمات کا داعی
دینی، علمی، ادبی، تحقیقی اور اصلاحی مضامین کا حامل

مجلّہ صدائے حق بنگلور

سرپرست

حضرت مولانا **محمد سلمان صاحب** بجنوری زیدت معالیہم
استاذ حدیث و مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

نائب مدیر	مدیر
مفتی عبدالرحمٰن بنگلوری	عبدالرزاق بنگلوری

ناشر
مجلس، صدائے حق اسلامک پورٹل بنگلور-78

قرآن وسنت اوراسلافِ امت کی تعلیمات کا داعی

دینی، علمی، ادبی، تحقیقی اور اصلاحی مضامین کا حامل

مجلّہ

صدائے حق بنگلور

جلد:۰۴	شمارہ:۰۵	ماہ نومبر ۲۰۲۳ء	ماہ جمادی الاوّل ۱۴۴۵ھ

سرپرست

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری دامت برکاتہم

استاذِ حدیث ومدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

مدیر	نائب مدیر
عبدالرزاق بنگلوری	مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلوری

مجلس ادارت

مفتی محمد علی صاحب قاسمی

مولانا محمد اُویس صاحب رشادی

مولانا عبداللطیف صاحب قاسمی

مجلسِ مشاورت

مولانا اشرف صاحب قاسمی

مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہری

مفتی عبدالفتاح صاحب قاسمی

ADVERTISEMENT TARIFF

Full Page (Title Back Cover) 6000/-

Full Page (Title Inner Cover) 5000/-

Black and White

Full Page (Inside Pages) 2000/-

Half Page (Inside Pages) 1000/-

Cuarter Page (Inside Pages) 500/-

Phone Pe & Google Pay:7406464533

مضمون نگار کی آرا سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں

شائع کردہ

مجلس: صدائے حق اسلامک پورٹل بنگلور 78

فہرست

عناوین	مضامین	اسمائے محررین	صفحہ نمبر
اداریہ	فلسطین اور اسرائیل، قیامت کی علامات کبریٰ......	مفتی عبدالرزاق بنگلوری	۳
درسِ حدیث	خیر وشر کے خزانے اور اس کی کنجیاں	مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلوری	۱۳
حالاتِ حاضرہ	فلسطین کے حقیقی وارث	مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی	۱۸
اصلاحِ معاشرہ	عزت وشرف کے حامل کیسے بنیں؟	مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری	۲۳
// // //	عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم پر بھی توجہ دیں	مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب	۲۸
// // //	سود کی مذمت اور اُس کا انجام	مفتی محمد علی صاحب قاسمی	۳۲
// // //	قلب کو اخلاقِ محمودہ سے مزین کرنے کا بیان (قسط ہفتم)	مفتی محمد سلطان خان صاحب قاسمی	۳۵
// // //	آؤ تعلق مع اللہ سیکھیں!	مولانا محمد یونس صاحب میمن	۴۴
تحقیقات	حارث نام رکھنا، جائز ہے یا نہیں؟	مولانا محمد یاسین خان صاحب قاسمی	۵۳

اطلاعِ عام

نوٹ: مضمون نگار اپنے مضامین مندرجہ ذیل ای میل (E-mail) یا واٹسیپ (WhatsApp) پر ان پیج (InPage) فائل روانہ کرسکتے ہیں، جزاکم اللہ خیراً وأحسن الجزاء.

Email: muftiabdurrahman57@gmail.com

Whatsapp No: 09620795460 - 9739349433

ادار یہ

فلسطین اور اسرائیل، قیامت کی علاماتِ کبریٰ، دجالی فتنے اور امتِ مسلمہ کا مستقبل

از: مفتی عبدالرزاق بنگلوری

یورپ میں یہودیوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک کی وجہ سے صیہونی تحریک زور پکڑنے لگی، جس کا مقصد یہودیوں کے لیے الگ ریاست کا قیام تھا۔ اس وقت فلسطین کا علاقہ سلطنتِ عثمانیہ کے کنٹرول میں تھا، تاہم پہلی جنگِ عظیم کے بعد یہ خطہ برطانیہ کے زیرِ تسلط آیا جہاں یہودی بڑی تعداد میں منتقل ہونے لگے اور یوں مقامی عرب آبادی کے ساتھ تناؤ کا آغاز ہوا۔

برطانیہ اور فرانس نے مشرقِ وسطیٰ کو تقسیم کیا اور مختلف ریاستیں قیام میں آئیں، تاہم فلسطین برطانیہ کے زیرِ تسلط ہی رہا جہاں عرب قوم پرستوں اور صیہونی تنظیموں کے درمیان کشیدگی بڑھنے لگی۔ صیہونی تنظیموں نے عسکری گروہ قائم کر لیے، جنھوں نے دوسری جنگِ عظیم کے بعد الگ ریاست کے لیے دباؤ بڑھانا شروع کر دیا، بالآخر اب وہ پورے ملک فلسطین پر قابو پالیں گے یہ سب یہودی چال ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق جو دنیا میں امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پوری دنیا سے جنگ کریں گے اور یہودیت کو دنیا سے ختم کر دیں گے (اس کی تفصیل اسی مضمون میں آگے ملاحظہ فرمائیں) تو ابھی سے وہ مسلم طاقت کو کمزور کرنا چاہتے ہیں؛ مگر ان کو یہ نہیں معلوم کہ ایک دوسری جگہ روایت میں یہ بھی ہے کہ قیامت کے قریب یہود سب ایک جگہ ہوں گے، جب جنگ ہوگی تو بھاگ کر پتھروں کے پیچھے چھپیں گے تو وہ بھی گواہی دے گا۔ (مسلم شریف) تو گویا کہ وہ جمع ہو رہے ہیں؛ لیکن ہوگا وہی جس کی میرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی دی۔

وقوعِ قیامت کا عقیدہ:

وقوعِ قیامت کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے اور ایک مسلمان کے ایمان کا حصہ ہے۔ قیامت، آثارِ قیامت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے جیسا کہ

احادیث میں ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل نہ ہوں گے، وہ دجال اور خنزیر کو قتل کریں گے، صلیب کو توڑیں گے، مال عام ہو جائے گا اور جزیہ کو ساقط کردیں گے اور اسلام کے علاوہ کوئی اور دین قبول نہ کیا جائے گا، اسی زمانے میں اللہ تعالیٰ اسلام کے سوا سب اَدیان کو ختم کردے گا اور سجدہ صرف اللہ وحدہٗ کے لیے ہوگا۔ اِس سے واضح ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تمام روئے زمین پر اسلام کی حکمرانی ہوگی اور اس کے علاوہ کوئی دین باقی نہ رہے گا۔ قیامت پر ایمان ویقین سے انسان کی دنیوی زندگی خوشگوار ہو جاتی ہے اور آخرت سنور جاتی ہے؛ اِسی لیے اسلام میں ایمان بالآخرت اور روزِ قیامت پر ایمان لانا فرض ہے اور اس کے بغیر بندہ کا ایمان صحیح نہیں ہوسکتا۔ علاماتِ قیامت کے حوالے سے ائمۂ محدثین نے کتبِ احادیث میں ابواب بندی بھی کی ہے اور بعض اہلِ علم نے اس موضوع پر کتب لکھی ہیں۔

علامتِ کبریٰ اور امتِ مسلمہ کی ذمہ داری:

قیامت صورِ اسرافیل کی اُس خوفناک چیخ کا نام ہے جس سے پوری کائنات زلزلہ میں آجائے گی، اس ہمہ گیر زلزلہ کے ابتدائی جھٹکوں ہی سے دہشت زدہ ہوکر دودھ پلانے والی مائیں اپنے دودھ پیتے بچوں کو بھول جائیں گی، حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے، اس چیخ اور زلزلہ کی شدت دم بدم بڑھتی جائے گی، جس سے تمام انسان اور جانور مرنے شروع ہو جائیں گے، یہاں تک کہ زمین وآسمان میں کوئی جاندار زندہ نہ بچے گا، زمین پھٹ پڑے گی، پہاڑ دُھنی ہوئی روئی کی طرح اُڑتے پھریں گے، ستارے اور سیارے ٹوٹ کر گر پڑیں گے اور پوری کائنات موت کی آغوش میں چلی جائے گی۔ اس عظیم دن کی خبر تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کو دیتے چلے آئے تھے؛ مگر رسولِ خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر یہ بتایا کہ قیامت قریب آپہنچی اور میں اس دنیا میں اللہ کا آخری رسول ہوں، قرآنِ حکیم نے بھی اعلان کیا کہ:

> ''قیامت نزدیک آپہنچی اور چاند شق ہوگیا، اور یہ کہہ کر لوگوں کو چونکایا، سو کیا یہ لوگ بس قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ ان پر دفعتاً آپڑے؟ سو یاد رکھو! کہ اس کی (متعدد) علامتیں آچکی ہیں، سو جب قیامت ان کے سامنے آکھڑی ہوگی اُس وقت ان کو سمجھنا کہاں میسر ہوگا؟''۔ (سورۂ محمد)

لیکن قیامت کب آئے گی اس کی ٹھیک ٹھیک تاریخ تو کُجا، سال اور صدی اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں، یہ ایسا راز ہے جو خالقِ کائنات نے کسی فرشتے یا نبی کو بھی نہیں بتایا، جبرئیل امین علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو اُن کو بھی یہی جواب ملا کہ جس سے پوچھا جارہا ہے وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔ قرآنِ حکیم نے

بھی بتایا کہ قیامت کے مقررہ وقت کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے؛ مگر چند روز قبل مفتی ابولبابہ صاحب کا مضمون میری نظروں سے گزرا جس میں انہوں نے اکابرین کے حوالے سے یہ لکھا کہ امام مہدی کا ظہور ۲۰۲۴ء یا ۲۰۲۵ء میں ہوگا، ایسا لکھنا اور کہنا سراسر غلطی کا باعث ہے؛ کیوں کہ اکابرین ہمارے سر کے تاج ہیں؛ مگر پیشین گوئیاں وہی صحیح ثابت ہوں گی جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہیں؛ چناں چہ چند آیات درج ذیل ہیں:

''یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اُس کا وقوع کب ہوگا، سو اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق؟ اس (کے علم کی تعیین) کا مدار صرف آپ کے رب کی طرف ہے''۔

(سوۂ النازعات)

''یہ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ یہ کب آئے گی، آپ فرما دیجیے کہ اس کا علم تو میرے رب کو ہی ہے، اُس کو اس کے وقت پر اللہ کے سوا دوسرا کوئی ظاہر نہ کرے گا، وہ آسمانوں اور زمین میں بڑا بھاری حادثہ ہوگا، وہ تم پر اچانک آ پڑے گی، وہ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے آپ گویا اس کی تحقیقات کر چکے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ اُس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے؛ مگر اکثر لوگ جانتے نہیں''۔ (سورۂ الاعراف، آیت: ۱۸۷)

اسی طرح مندرجہ ذیل احادیث میں بھی اگر تحقیق سے کام نہ لیا جائے تو تعارض نظر آتا ہے، پہلی حدیث صحیح مسلم میں ہے:

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں ایک جماعت یومِ قیامت تک سربلندی کے ساتھ حق کے لیے برسرِ پیکار رہے گی''۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمنین کی ایک ایسی جماعت یومِ قیامت تک زندہ رہے گی؛ مگر مندرجہ ذیل احادیث میں صراحت ہے کہ قیامت سے پہلے تمام مؤمنین کو موت آجائے گی اور قیامت کے دن کوئی مؤمن زندہ نہ ہوگا، وہ احادیث یہ ہیں:

''بے شک اللہ عزوجل ایک ہَوا بھیجے گا جو ریشم سے زیادہ نرم ہوگی، پس جس کے دل میں ایک دانہ یا ایک ذرّہ کی برابر بھی ایمان ہوگا وہ اسے نہ چھوڑے گی اور اس کی روح قبض کرلے گی''۔ (صحیح مسلم: ج/۱، ص/۷۵)

''قیامت نہ آئے گی جب تک یہ کیفیت نہ ہوجائے کہ زمین میں اللہ اللہ نہ کہا جائے''۔ (صحیح مسلم: ج/۱، ص/۸۴)

''قیامت ایسے کسی شخص پر نہیں آئے گی جو اللہ اللہ کہتا ہو''۔ (صحیح مسلم: ج/۱، ص/۸۴)

''قیامت نہیں آئے گی مگر صرف بدترین لوگوں پر''۔ (صحیح مسلم: ج/۲، ص/۴۰۶)

قیامت کی علاماتِ کبریٰ میں سب سے پہلی علامت حضرت امام مہدی کا ظہور ہے، احادیثِ مبارکہ میں حضرت امام مہدی کا ذکر بڑی تفصیل سے آیا ہے کہ حضرت مہدی حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہوں گے، نام محمد، والد گرامی کا نام عبداللہ ہوگا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہت ہوگی، پہلے ان کی حکومت عرب میں ہوگی پھر ساری دنیا میں پھیل جائے گی، سات سال حکومت کریں گے۔ امام مہدی مدینہ منورہ میں پیدا ہوں گے، آخری زمانے میں جب مسلمان ہر طرف سے مغلوب ہو جائیں گے، مسلسل جنگیں ہوں گی، شام میں بھی عیسائیوں کی حکومت قائم ہو جائے گی، ہر جگہ کفار کے مظالم بڑھ جائیں گے، عرب میں بھی مسلمانوں کی باقاعدہ پُرشوکت نہیں رہے گی، خیبر کے قریب تک عیسائی پہنچ جائیں گے، اور اس جگہ تک ان کی حکومت قائم ہو جائے گی، بچے کھچے مسلمان مدینہ منورہ پہنچ جائیں گے، اس وقت حضرت امام مہدی مدینہ منورہ میں ہوں گے، لوگوں کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوگا کہ اب امام مہدی کو تلاش کرنا چاہیے، ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کو امام بنالینا چاہیے، اس زمانے کے نیک لوگ، اولیاء اللہ اور اَبدال سب ہی امام مہدی کی تلاش میں ہوں گے، بعض جھوٹے مہدی بھی پیدا ہو جائیں گے، امام اس ڈر سے کہ لوگ انھیں حاکم اور امام نہ بنالیں، مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ آجائیں گے، اور بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے ہوں گے، حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان ہوں گے کہ پہچان لیے جائیں گے اور لوگ ان کو گھیر کر ان سے حاکم اور امام ہونے کی بیعت کرلیں گے، اسی بیعت کے دَوران ایک آواز آسمان سے آئے گی جس کو تمام لوگ جو وہاں موجود ہوں گے سنیں گے، وہ آواز یہ ہوگی: ''یہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اور حاکم بنائے ہوئے امام مہدی ہیں'' جب آپ کی بیعت کی شہرت ہوگی تو مدینہ منورہ کی فوجیں مکہ معظّمہ میں جمع ہو جائیں گی، شام، عراق اور یمن کے اہل اللہ اور اَبدال سب آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور بیعت کریں گے۔ ایک فوج حضرت امام مہدی سے لڑنے کے لیے آئے گی، جب وہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک جنگل میں پہنچے گی اور ایک پہاڑ کے نیچے ٹھہرے گی تو سوائے دو آدمیوں کے سب کے سب زمین میں دھنس جائیں گے، امام مہدی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آئیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کی زیارت کریں گے، پھر شام روانہ ہوں گے، دمشق پہنچ کر عیسائیوں سے ایک خوں ریز جنگ ہوگی جس میں بہت سے مسلمان شہید ہو جائیں گے، بالآخر مسلمانوں کو فتح ہوگی، امام مہدی ملک کا انتظام سنبھال کر قسطنطنیہ فتح کرنے کے لیے عازمِ سفر ہوں گے۔

قسطنطنیہ فتح کر کے امام مہدی شام کے لیے روانہ ہوں گے، شام پہنچنے کے کچھ ہی عرصے بعد دجال نکل پڑے گا، دجال شام اور عراق کے درمیان میں سے نکلے گا اور گھومتا گھماتا دمشق کے قریب پہنچ جائے گا، عصر کی

نماز کے وقت لوگ نماز کی تیاری میں مصروف ہوں گے کہ اچانک حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے آسمان سے اُترتے ہوئے نظر آئیں گے، دجال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر بھاگے گا، بالآخر "بابِ لُد" پر پہنچ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کا کام تمام کردیں گے، اُس وقت روئے زمین پر کوئی کافر نہیں رہے گا، سب مسلمان ہوں گے، حضرت امام مہدی علیہ الرضوان کی عمر پینتالیس، اڑتالیس یا انچاس برس ہوگی کہ آپ کا انتقال ہوجائے گا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی نمازِ جنازہ پڑھائیں گے، بیت المقدس میں انتقال ہوگا اور وہیں دفن ہوں گے۔

خروجِ دجال

قیامت کی علاماتِ کبریٰ میں سے دوسری علامت خروجِ دجال ہے، احادیثِ مبارکہ میں دجال کا ذکر بڑی وضاحت سے آیا ہے، ہر نبی دجال کے فتنے سے اپنی امت کو ڈراتا رہا ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نشانیاں بھی بیان فرمائی ہیں، دجال کا ثبوت احادیثِ متواترہ اور اجماعِ امت سے ہے۔ دجالی یہودی ہوگا، خدائی کا دعویٰ کرے گا، اُس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہوگا، دائیں آنکھ سے کانا ہوگا، دائیں آنکھ کی جگہ انگور نُما اُبھرا ہوا دانہ ہوگا، زمین پر اُس کا قیام چالیس دن ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ سے مختلف خرقِ عادت اُمور اور شعبدے ظاہر فرمائیں گے، وہ لوگوں کو قتل کرکے زندہ کرے گا، وہ آسمان کو حکم کرے گا آسمان بارش برسائے گا، زمین کو حکم کرے گا زمین غلہ اُگائے گی، ایک ویرانے سے گزرے گا اور اسے کہے گا: اپنے خزانے نکال! وہ اپنے خزانے باہر نکالے گی، پھر وہ خزانے شہد کی مکھیوں کی طرح اس کے پیچھے پیچھے چلیں گے، آخر میں ایک شخص کو قتل کرے گا، پھر زندہ کرے گا، اُس کو دوبارہ قتل کرنا چاہے تو نہیں کرسکے گا، دجال پوری زمین کا چکر لگائے گا، کوئی شہر ایسا نہیں ہوگا جہاں دجال نہیں جائے گا، سوائے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے، کہ ان دوشہروں میں فرشتوں کے پہرے کی وجہ سے وہ داخل نہیں ہوسکے گا، دجال کا فتنہ تاریخِ انسانیت کا سب سے بڑا فتنہ ہوگا۔ حضرت امام مہدی جب قسطنطنیہ کو فتح فرماکر شام تشریف لائیں گے، دمشق میں مقیم ہوں گے کہ شام اور عراق کے درمیان میں سے دجال نکلے گا، پہلے نبوت کا دعویٰ کرے گا، یہاں سے اصفہان پہنچے گا، اصفہان کے ستر ہزار یہودی اس کے ساتھ ہوجائیں گے، پھر خدائی کا دعویٰ شروع کردے گا اور اپنے لشکر کے ساتھ زمین میں فساد مچاتا پھرے گا، بہت سے ملکوں سے ہوتا ہوا یمن تک پہنچے گا، بہت سے گمراہ لوگ اس کے ساتھ ہوجائیں گے، یہاں سے مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوگا، مکہ مکرمہ کے قریب آکر ٹھہرے گا، مکہ مکرمہ کے گرد فرشتوں

کا حفاظتی پہرہ ہوگا، جس وجہ سے وہ مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہوسکے گا، پھر مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوگا، یہاں بھی فرشتوں کا حفاظتی پہرہ ہوگا، دجال مدینہ منورہ میں بھی داخل نہ ہوسکے گا، اُس وقت مدینہ منورہ میں تین مرتبہ زلزلہ آئے گا، جس سے کمزور ایمان والے گھبرا کر مدینہ منورہ سے باہر نکل جائیں گے اور دجال کے فتنے میں پھنس جائیں گے۔ مدینہ منورہ میں ایک اللہ والے دجال سے مناظرہ کریں گے، دجال اُنھیں قتل کردے گا، پھر زندہ کرے گا، وہ کہیں گے اب تو تیرے دجال ہونے کا پکا یقین ہوگیا ہے، دجال اُنھیں دوبارہ قتل کرنا چاہے گا مگر نہیں کرسکے گا۔ یہاں سے دجال شام کے لیے روانہ ہوگا، دمشق کے قریب پہنچ جائے گا، یہاں حضرت امام مہدی پہلے سے موجود ہوں گے کہ اچانک آسمان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُتریں گے، حضرت امام مہدی تمام انتظامات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے کرنا چاہیں گے وہ فرمائیں گے منتظم آپ ہی ہیں، میرا کام دجال کو قتل کرنا ہے، اگلی صبح حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ دجال کے لشکر کی طرف پیش قدمی فرائیں گے، گھوڑے پر سوار ہوں گے، نیزہ اُن کے ہاتھ میں ہوگا، دجال کے لشکر پر حملہ کردیں گے، بہت گھماسان کی لڑائی ہوگی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سانس میں یہ تاثیر ہوگی کہ جہاں تک اُن کی نگاہ جائے گی وہاں تک سانس پہنچے گی اور جس کافر کو آپ کے سانس کی ہوا لگے گی وہ اُسی وقت مرجائے گا، دجال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر بھاگنا شروع کردے گا، آپ اُس کا پیچھا کریں گے ''بابِ لُد'' پر پہنچ کر دجال کو قتل کردیں گے۔

نزولِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام:

قیامت کی علاماتِ کبریٰ میں سے تیسری علامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں سے نازل ہونا اور دجال کو قتل کرنا ہے، نزولِ عیسیٰ کا عقیدہ قرآنِ کریم، احادیثِ متواترہ اور اجماعِ امت سے ثابت ہے، اس کی تصدیق کرنا اور اس پر ایمان لانا فرض ہے، اور مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے، اس عقیدے کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔ آسمانوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت امام مہدی مدینہ منورہ سے ہوکر دمشق پہنچ چکے ہوں گے اور دجال بھی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے دھتکارا ہوا دمشق کے قریب پہنچ گیا ہوگا، امام مہدی اور یہودیوں کے درمیان جنگیں زوروں پر ہوں گی کہ ایک دن عصر کی نماز کا وقت ہوگا، اذانِ عصر ہوچکی ہوگی، لوگ نماز کی تیاری میں مشغول ہوں گے کہ اچانک حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے آسمان سے اُترتے ہوئے نظر آئیں گے، سر نیچے کریں گے تو پانی کے قطرے گریں گے، سر اُونچا کریں گے تو چمک دار موتیوں کی طرح دانے گریں گے، دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی جانب کے سفید رنگ کے

مینار پر اُتریں گے، وہاں سے سیڑھی کے ذریعے نیچے اُتریں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام عدل وانصاف قائم کریں گے، عیسائیوں کی صلیب توڑ دیں گے، (صلیب توڑنے کا مطلب یہ ہے کہ عیسائیوں کے عقیدۂ صلیب کو غلط قرار دیں گے) خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ کو ختم کردیں گے، یہودیوں اور دجال کو قتل کریں گے، یہاں تک کہ یہودی ختم ہوجائیں گے، جس کافر کو ان کی سانس پہنچے گی وہ وہیں مرجائے گا ''بابِ لُد'' پر دجال کو قتل کریں گے، مال کی اتنی فراوانی ہوجائے گی کہ کوئی اسے قبول نہیں کرے گا۔ حضرت امام مہدی کی وفات کے بعد تمام انتظام حضرت عیسیٰ سنبھال لیں گے، آسمانوں سے اُترنے کے بعد بھی حضرت عیسیٰ نبی ہی ہوں گے؛ کیوں کہ نبی منصبِ نبوت سے کبھی معزول نہیں ہوتا؛ لیکن اُس وقت اُمتِ محمدیہ کے تابع مجدد اور عادل حکمران کی حیثیت میں ہوں گے، دجال کو قتل کرنے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کے احوال کی اصلاح فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ کے حکم سے انھیں کوہِ طور پر لے جائیں گے، چالیس یا پینتالیس برس کے بعد ان کی وفات ہوگی، اس دَوران نکاح بھی کریں گے اور ان کی اولاد بھی ہوگی، مدینہ منورہ میں انتقال ہوگا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک میں دفن ہوں گے، آپ کے بعد قحطان قبیلے کے ایک شخص جہجاہ حاکم بنیں گے، اُن کے بعد کئی نیک وعادل حکمران آئیں گے، پھر آہستہ آہستہ نیکی کم ہونا شروع ہوجائے گی اور بُرائی بڑھنے لگے گی۔

یاجوج ماجوج:

امام مہدی کے انتقال کے بعد تمام انتظامات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں ہوں گے اور نہایت سکون وآرام سے زندگی بسر ہورہی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائیں گے کہ میں ایک ایسی قوم نکالنے والا ہوں جس کے ساتھ کسی کو مقابلے کی طاقت نہیں ہے، آپ میرے بندوں کو کوہِ طور پر لے جائیں، اس قوم سے یاجوج ماجوج کی قوم مراد ہے۔ یاجوج ماجوج کا ذکر قرآنِ مجید میں بھی ہے، یہ قوم یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہے، شمال کی طرف بحرِ منجمد سے آگے یہ قوم آباد ہے، ان کی طرف جانے والا راستہ پہاڑوں کے درمیان ہے، جس کو حضرت ذوالقرنین نے تانبا پگھلا کر لوہے کے تختے جوڑ کر بند کردیا تھا، بڑی طاقت ور قوم ہے، دو پہاڑوں کے درمیان نہایت مستحکم آہنی دیوار کے پیچھے بند ہے، قیامت کے قریب وہ دیوار ٹوٹ کر گر پڑے گی اور یہ قوم باہر نکل آئے گی اور ہر طرف پھیل جائے گی اور فساد برپا کرے گی۔ یاجوج ماجوج آہنی دیوار ٹوٹنے کے بعد ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے نظر آئیں گے، جب ان کی پہلی جماعت بحیرۂ طبریہ پر سے گزرے گی تو اس کا سارا پانی پی جائے گی، جب دوسری جماعت گزرے گی تو وہ کہے گی: ''یہاں کبھی پانی تھا''،

یاجوج ماجوج کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مسلمان بڑی تکلیف میں ہوں گے، کھانے کی قلّت کا یہ عالَم ہوگا کہ بیل کا سر سو دینار سے بھی قیمتی اور بہتر سمجھا جائے گا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام یاجوج ماجوج کے لیے بددعا کریں گے، اللہ تعالیٰ اُن کی گردنوں میں ایک بیماری پیدا کردیں گے جس سے سارے مرجائیں گے، اور زمین بدبودار تعفن سے بھرجائے گی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اللہ تعالیٰ بڑی بڑی گردنوں والے پرندے بھیجیں گے جو اُن کو اُٹھا کر جہاں اللہ تعالیٰ چاہیں گے پھینک دیں گے، پھر موسلا دھار بارش ہوگی جو ہر جگہ ہوگی، کوئی مکان یا کوئی علاقہ ایسا نہیں ہوگا جہاں پر یہ بارش نہ پہنچے، وہ بارش پوری زمین دھوکر صاف وشفاف کردے گی اور بدبو ختم ہوجائے گی۔

سورج کا مغرب سے طلوع ہونا:

قیامت کی علاماتِ کبریٰ میں سے ایک بڑی علامت سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے، قرآنِ کریم اور احادیثِ مبارکہ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ دُھویں کے ظاہر ہونے اور زمین دھنس جانے کے واقعے کے بعد ذوالحجہ کے مہینہ میں دسویں ذوالحجہ کے بعد اچانک ایک رات بہت لمبی ہوگی کہ مسافروں کے دل گھبرا کر بے قرار ہوجائیں گے، بچے سو سو کر اُکتا جائیں گے، جانور باہر کھیتوں میں جانے کے لیے چلانے لگیں گے، تمام لوگ ڈر اور گھبراہٹ سے بے قرار ہوجائیں گے، جب تین راتوں کے برابر وہ رات ہوچکے گی تو سورج ہلکی سی روشنی کے ساتھ مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا اور سورج کی حالت ایسی ہوگی جیسے اس کو گہن لگا ہوتا ہے، اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا اور کسی کا ایمان یا گناہوں سے توبہ قبول نہ ہوگی، سورج آہستہ آہستہ اُونچا ہوتا جائے گا، جب اتنا اُونچا ہوجائے گا اور معمول کے مطابق غروب ہوجائے گا، پھر حسبِ معمول طلوع وغروب ہوتا رہے گا۔ مغرب سے سورج طلوع ہونے واقعے کے ایک سو بیس سال بعد قیامت کے لیے صور پھونکا جائے گا۔

دابۃ الارض کا زمین سے نکلنا:

قیامت کی بڑی علامتوں میں سے ایک بڑی علامت ''دابۃ الارض'' کا زمین سے نکلنا ہے، اس کا ذکر قرآنِ کریم اور احادیثِ مبارکہ میں موجود ہے۔ مغرب سے سورج طلوع ہونے کے واقعے کے کچھ ہی روز بعد مکہ مکرمہ میں واقع پہاڑ صفا پھٹے گا اور اس سے ایک عجیب وغریب جانور نکلے گا جو لوگوں سے باتیں کرے گا، اور بڑی تیزی کے ساتھ ساری زمین میں پھر جائے گا، اس کے پاس حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہوگا، ایمان والوں کی پیشانی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے ایک نورانی لکیر کھینچ

دے گا، جس سے ان کا سارا چہرہ روشن ہوجائے گا، اور کافروں کی ناک یا گردن پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی سے سیاہ مہر لگا دے گا، جس سے اس کا سارا چہرہ میلا ہوجائے گا، لوگوں کے مجمع میں ایمان والوں کو کہے گا: یہ ایمان دار ہے، اور کافر کے بارے میں کہے گا کہ: یہ کافر ہے، اس کے بعد وہ غائب ہوجائے گا۔

ٹھنڈی ہَوا کا چلنا اور تمام مسلمانوں کا وفات پا جانا:

جانور والے واقعے کے کچھ ہی روز بعد جنوب کی طرف سے ایک ٹھنڈی اور نہایت فرحت بخش ہَوا چلے گی، جس سے تمام مسلمانوں کی بغل میں کچھ نکل آئے گا، جس سے وہ سب مرجائیں گے، حتیٰ کہ اگر کوئی مسلمان کسی غار میں چھپا ہوا ہوگا اُس کو بھی یہ ہَوا پہنچے گی اور وہ وہیں مرجائے گا، اب روئے زمین پر کوئی مسلمان نہیں ہوگا، سب کافر ہوں گے اور شرار الناس یعنی بُرے لوگ رہ جائیں گے۔

حبشیوں کی حکومت اور بیت اللہ کا شہید ہونا:

جب سارے مسلمان مرجائیں گے اور روئے زمین پر صرف کافر رہ جائیں گے اُس وقت ساری دنیا میں حبشیوں کا غلبہ ہوجائے گا اور انھی کی حکومت ہوگی، قرآنِ کریم دلوں اور کاغذوں سے اُٹھالیا جائے گا، حج بند ہوجائے گا، دلوں سے خوفِ خدا اور شرم وحیا بالکل اُٹھ جائے گی، لوگ برسرِ عام بے حیائی کریں گے، بیت اللہ شریف کو شہید کردیا جائے گا، حبشہ کا رہنے والا چھوٹی پنڈلیوں والا ایک شخص بیت اللہ شریف کو گرائے گا۔

آگ کا لوگوں کو ملکِ شام کی طرف ہانکنا:

قیامت کی علاماتِ کبریٰ میں سے آخری علامت آگ کا نکلنا ہے، قیامت کا صور پھونکے جانے سے پہلے زمین پر بُت پرستی اور کفر پھیل جائے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کے شام میں جمع ہونے کے اسباب پیدا ہوں گے، شام میں حالات اچھے ہوں گے، لوگ وہاں کا رُخ کریں گے، پھر یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو ارضِ محشر یعنی شام کی طرف ہانکے گی، جب سب لوگ ملکِ شام میں پہنچ جائیں گے تو یہ آگ غائب ہوجائے گی، اس کے بعد عیش وآرام کا زمانہ آئے گا، لوگ مزے سے زندگی بسر کررہے ہوں گے، کچھ عرصہ اسی حالت میں گزرے گا کہ اچانک قیامت قائم ہوجائے گی۔

صور پھونکا جانا اور قیامت کا قائم ہونا:

ان تمام علامات کے واقع ہوجانے کے بعد عیش وآرام کا زمانہ آئے گا، محرم کی ۱۰؍تاریخ اور جمعہ کا دن ہوگا،

لوگ اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوں گے کہ اچانک قیامت قائم ہوجائے گی، دو آدمیوں نے کپڑا پھیلا رکھا ہوگا، اُس کو سمیٹ نہ سکیں گے اور نہ ہی خرید وفروخت کرسکیں گے کہ قیامت قائم ہوجائے گی، ایک شخص اپنی اُونٹنی کا دودھ لے کر جائے گا اور اسے پی نہیں سکے گا کہ قیامت قائم ہوجائے گی، ایک شخص اپنے پانی والے حوض کی مرمت کررہا ہوگا اور اُس سے پانی نہیں پی سکے گا کہ قیامت قائم ہوجائے گی، ایک شخص نے نوالہ منہ کی طرف اُٹھایا ہوگا، اُسے منہ میں ڈال نہیں سکے گا کہ قیامت قائم ہوجائے گی۔ قیامت حضرت اسرافیل کے صور پھونکنے سے برپا ہوگی، جس کی آواز پہلے ہلکی اور پھر اس قدر ہیبت ناک ہوگی کہ اس سے سب جاندار مرجائیں گے، زمین وآسمان پھٹ جائیں گے، ہر چیز ٹوٹ پھوٹ کر فنا ہوجائے گی، چالیس سال بعد دوبارہ حضرت اسرافیل صور پھونکیں گے جس سے سب زندہ ہوکر میدانِ محشر میں جمع ہونا شروع ہوجائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی خدمت کرنے اور صحیح ومستند باتیں امت تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

❑❖❑

درسِ حدیث

خیر وشر کے خزانے اور ان کی کنجیاں

ازقلم: مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلوری، ناظم مدرسہ دارالتوحید، اعلیٰ ہلی بنگلور

عَنْ سَھْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ هٰذَا الْخَيْرِ خَزَائِنُ لِتِلْكَ الْخَزَائِنِ مَفَاتِيْحُ فَطُوْبٰى لِعَبْدٍ جَعَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِفْتَاحًا لِلْغَيْرِ مِغْلَاقًا لِلشَّرِّ وَوَيْلٌ لِعَبْدٍ جَعَلَهُ اللّٰهُ مِفْتَاحًا لِلشَّرِّ مِغْلَاقًا لِلْخَيْرِ. (مشکاۃ: ص/٤٤٤)

حضرت سہل ابنِ سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’یہ خیر (یعنی مال ودولت کے انبار) خزانے ہیں اور ان خزانوں کے لیے کنجیاں ہیں (یعنی خدا اپنے جن نیک اور مخیّر بندوں کو مال ودولت سے نوازتا ہے وہ گویا اُن خدائی خزانوں کی کنجیاں ہوتے ہیں کہ ان کے مالی عطیات اور صدقہ وخیرات کے ذریعے فقیر ومفلس اور ضرورت مند بندگانِ خدا فائدہ اٹھاتے ہیں) پس (دنیوی کامیابی اور ترقی اور اُخروی فلاح وسعادت کی) بشارت ہو اُس بندہ کو کہ جس کو خدا نے خیر (یعنی نیکیوں وبھلائیوں اور مالی بخشش وعطاء) کے دروازے کھلنے اور بُرائی (یعنی بخل وخسّت اور ضرورت مندوں سے بے پروائی) کے دروازے بند ہونے کا سبب وذریعہ بنایا ہے اور (دین ودنیا کی) ہلاکت وتباہی ہے اُس بندے کے لیے جس کو خدا نے بُرائی کے دروازے کھلنے اور خیر کے دروازے بند ہونے کا سبب وذریعہ بنایا ہے (یعنی جو مالدار اپنی دولت کو بڑھانے کے چکر میں رہتا ہے اور ضرورت مند بندگانِ خدا کی خبر گیری اور اُمورِ خیر میں خرچ کرنے کی اہمیت سے بے پرواہ رہ کر گویا بخل وخسّت میں مبتلا ہوتا ہے اُس کے لیے تباہی ہی تباہی ہے)‘‘۔

تشریح:

تمام چیزوں کے خزانے اللہ ہی کے پاس ہیں، رحمتوں کا، برکتوں کا، صحت کا، اولاد کا، ہر خزانہ اللہ کے پاس ہے اور اللہ کے پاس ایسے خزانے ہیں جن کو گن اور شمار نہیں کر سکتے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ۝﴾.

اور اللہ کے ہیں خزانے آسمانوں کے اور زمین کے لیکن منافق نہیں سمجھتے۔

(پارہ:۲۸، سورۂ منافقون، رقم الآیۃ:۷، رکوع:۱) (شیخ الہندؒ)

تشریح:

یعنی احمق اتنا نہیں سمجھتے کہ تمام آسمان وزمین کے خزانوں کا مالک تو اللہ ہے، کیا جو لوگ خالص اُس کی رضاجوئی کے لیے اُس کے پیغمبر کی خدمت میں رہتے ہیں، وہ اُن کو بھوکوں ماردے گا، اور لوگ اگر اُن کی امداد بند کرلیں گے تو وہ بھی اپنی روزی کے سب دروازے بند کرلے گا؟ سچ تو یہ ہے کہ جو بندے اُن اللہ والوں پر خرچ کررہے ہیں وہ بھی اللہ کرتا ہے۔ اُس کی توفیق نہ ہو تو نیک کام میں کوئی ایک پیسہ خرچ نہ کرسکے۔

اِسی طرح اللہ کے پاس خیر اور برکتوں کے خزانے ہیں، ارشادِ باری ہے:

﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ، وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ○﴾ (پارہ:١٤، سورۂ حجر، رقم الآیة:٢١، رکوع:٢)

اور ہر چیز کے ہمارے پاس خزانے ہیں اور اُتارتے ہیں ہم اندازہ معین پر۔ (شیخ الہندؒ)

تشریح:

یعنی جو چیز جتنی مقدار میں چاہے پیدا کردے، نہ کچھ تعب ہوتا ہے نہ تکان، اِدھر ارادہ کیا اُدھر وہ چیز موجود ہوئی۔ گویا تمام چیزوں کا خزانہ اُس کی لامحدود قدرت ہوئی، جس سے ہر چیز حکمت کے موافق ایک معین نظام کے ماتحت ٹھہرے ہوئے اندازہ پر بلاکم وکاست نکلی چلی آتی ہے۔

اِسی طرح نعمتوں اور رحمتوں کے خزانے بھی اسی کے پاس ہیں، ارشادِ خداوندی ہے:

﴿قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ، وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا○﴾ (پارہ:١٥، سورۂ بنی اسرائیل، رقم الآیة:١٠، رکوع:١١)

اگر تمھارے ہاتھ میں ہوتے میرے رب کی رحمت کے خزانے تو ضرور بند کررکھتے اس ڈر سے کہ خرچ نہ ہوجائیں اور ہے انسان دل کا تنگ۔ (شیخ الہندؒ)

تشریح:

یعنی ایک بندہ کو ایسی عظیم الشان رحمت اور عدیم النظیر دولت سے سرفراز فرمانا، اسی جوادِ حقیقی اور وہابِ مطلق کی شان ہوسکتی ہے جس کے پاس رحمت کے غیر متناہی خزانے ہوں۔ اور کسی مستحق کو زیادہ سے زیادہ دینے میں نہ اس کو اپنے تہی دست رہ جانے کا خوف ہو، نہ اس کا اندیشہ کہ دوسرا ہم سے لے کر کہیں مدمقابل نہ بن جائے یا آگے چل کر ہمیں دبا نہ لے۔ خداوندِ قدوس تھڑدلے انسان کی طرح (العیاذ باللہ!) تنگ دل واقع نہیں ہوا، جیسے اگر فرض

کرو خزائنِ رحمت کا مالک مختار بنادیا جائے، تب بھی اپنی طبیعت سے بخل وتنگ دلی نہ چھوڑے اور کسی مستحق کو دینے سے اس لیے گھبرائے کہ کہیں سارا خرچ نہ ہو جائے اور میں خالی ہاتھ رہ جاؤں یا جس پر آج خرچ کرتا ہوں کل میری ہمسری نہ کرنے لگے۔ بہر حال اگر رحمتِ الٰہیہ کے خزانے تمہارے قبضہ میں ہوتے تو تم کسے دینے والے تھے اور کہاں گوارہ کر سکتے تھے کہ مکہ وطائف کے بڑے متکبر دولت مندوں کو چھوڑ کر وحی ونبوت کی یہ بیش بہا دولت ''بنی ہاشم'' کے ایک درّ یتیم کو مل جائے۔ یہ حق تعالیٰ کا فیض ہے کہ جس میں جیسی استعداد وقابلیت دیکھی اُس کے مناسب کمالات وانعامات کے خزانے اُنڈیل دیے۔ تمھارے تعنّت وتعصّب سے خدا کا فضل رکنے والا نہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں جو خزائن آپ کے اتباع کرنے والے کو ملنے والے ہیں مل کر رہیں گے اور پیغمبر علیہ السلام اور ان کے پیرو دریا دلی سے اس دولت کو بنی نوعِ انسان پر خرچ کریں گے، تمھاری طرح تنگ دلی نہیں دکھائیں گے۔

ایک جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ۝﴾ کیا اُن کے پاس ہیں خزانے تیرے رب کے یا وہی داروغہ ہیں؟

(پارہ:۲۷، سورۂ طور، رقم الآیۃ:۳۷، رکوع:۲) (شیخ الہندؒ)

تشریح:

یعنی کیا یہ خیال ہے کہ زمین وآسمان گو خدا کے بنائے ہوئے ہیں؛ مگر اُس نے اپنے خزانوں کا مالک اِن کو بنادیا ہے؟ یا اُس کے ملک اور خزانوں پر انہوں نے زور سے تسلّط اور قبضہ حاصل کرلیا ہے پھر ایسے صاحبِ تصرّف واقتدار ہو کر وہ کسی کے مطیع ومُنقاد کیوں نہیں؟

اِسی طرح ارشادِ خداوندی ہے:

﴿فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۝﴾ سو پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ ہے حکومت ہر چیز کی اور اسی کی طرف پھر کر چلے جاؤ گے۔

(پارہ:۲۳، سورۂ یٰسین، رقم الآیۃ:۸۳، رکوع:۵) (شیخ الہندؒ)

تشریح:

یعنی وہ اعلیٰ ترین ہستی جس کے ہاتھ میں فی الحال بھی اُوپر سے نیچے تک تمام مخلوقات کی زمامِ حکومت ہے اور آیندہ بھی اُسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔

جیسا اللہ رب العزت کے خزانے میں خیر ہے، اسی طرح اُس کے خزانوں میں شر بھی موجود ہے، اللہ تعالیٰ اپنے خزانے اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہے مسخر فرما دیتے ہیں، جس کو اللہ توفیق عطاء فرما دے وہ خیر کے خزانوں کے کھلنے کا سبب بنتا ہے، اس کے ذریعے خیر ہی خیر وجود میں آتا ہے اور جس کو اللہ ذلیل ورسوا کرنا چاہے (العیاذ باللہ) تو اس کو شر کے دروازوں کی چابی بنا دیتا ہے، اس کے ذریعے شر ہی شر پھیلتا ہے، جیسا کہ حدیث کے مضمون سے ظاہر ہے، ارشادِ ربانی ہے:

﴿مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا، وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ، وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُO﴾

(پارہ:۲۷، سورۂ طور، رقم الآیۃ:۳۷، رکوع:۲)

جو کچھ کہ کھول دے اللہ لوگوں پر رحمت میں سے تو کوئی نہیں اُس کو روکنے والا (رحمت جسمانی ہو مثلاً بارش، روزی وغیرہ یا روحانی جیسے انزالِ کتب وارسالِ رُسُل۔ غرض اللہ جب لوگوں پر اپنی رحمت کا دروازہ کھولے، کون ہے جو بند کر سکے) اور جو کچھ روک رکھے تو کوئی نہیں اُس کو بھیجنے والا، اُس کے سوائے اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا۔ (شیخ الہند مع فوائدِ عثمانی)

اللہ رب ذوالجلال کے پاس بے شمار خیر اور رحمتوں کے خزانے ہیں، لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے وہ ان خزانوں سے مستفید ہو، مثلاً لوگوں کو فرض نمازوں کی دعوت دینا، اسی طرح لوگوں کو سنن، نفل اور مستحبات کی دعوت دینا، قیام اللیل یا پیر وجمعرات کے روزہ کی دعوت دینا یا اس جیسی چیزوں میں لوگوں کو مشغول رکھنے کی کوشش کرنا یا یہ کہ مسجدوں اور مدرسوں کی تعمیر اور اس کی ترقی میں اپنے آپ کو استعمال کرنا یا یہ کہ بیواؤں، یتیموں اور مساکین کی خبر گیری کرنا یہ سب خیر کی کنجیاں ہیں، اسی طرح خیر کی کنجیاں اور بھی دینی کام ہو سکتے ہیں۔

اس کے مقابل کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جو شرور کے خزانوں کی کنجیاں ہوتی ہیں، فتنے ان سے جنم لیتے ہیں، مصیبتیں اور گمراہیاں ہی پھیلتی ہیں، ان لوگوں کے ذریعے بدعات پھیلتی ہیں، وہ لوگوں کو نماز اور عبادات چھوڑنے کی دعوت دیتے ہیں، شر کی کنجی کی ایک علامت یہ بھی ہے وہ اللہ کی کتاب (قرآن) میں کمی بیشی تلاش کرتے ہیں، اسی طرح سنتِ رسولؐ میں ان کو خامیاں نظر آتی ہیں، اسی طرح دنیا میں لوگوں کا خون بہانا ان کا محبوب مشغلہ بن جاتا ہے، اور لوگوں میں آپسی لڑائی جھگڑا کروانا محبوب عمل بن جاتا ہے، اِس طرح کے کاموں میں جو بندہ لگ جاتا ہے سمجھ لو کہ اللہ نے اس کو شر کے کھلنے کا سبب بنا دیا ہے۔ (اللہ ہم سب کو محفوظ رکھے، آمین)

مقامِ عبرت:

یہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر کی چابی اور شر کا تالا بننے والے شخص کو ''طوبیٰ'' سے ذکر فرمایا ہے، اس

کے کئی معانی ہیں، بعضوں نے کہا طوبیٰ جنت کا نام ہے، کسی نے کہا درخت کا نام ہے، بعضوں نے کہا یہ طیب سے مشتق ہے، یعنی اس شخص کی دنیا وآخرت کی زندگانی اچھی وبھلی ہو۔

اس کے مقابلہ میں جو شخص شر کی چابی اور خیر کا تالا بنے گا اُس کے لیے لفظ ''ویل'' کا استعمال فرمایا، یعنی غمِ ہلاکت اور سخت عذاب اور شدید ناکامی عذاب اور سزا کے لیے یہ لفظ مستعمل ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے جسے دعا مل جائے وہ کامیاب انسان ہے اور جس کے لیے بددعا کے جملے نکلے اور وہ اپنے کرتوت سے اس کا مستحق بنے تو اللہ کی پناہ اس کی ہلاکت میں کیا تردد باقی رہ جاتا ہے؟

اللہ تعالیٰ ہمیں خیر کے خزانوں کی کنجیاں اور شر کے لیے تالا بننے کی توفیق نصیب کرے، آمین یارب العالمین

حالاتِ حاضرہ

فلسطین کے حقیقی وارث

ازقلم: فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی، صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

فلسطین ایک ایسا علاقہ ہے، جس سے دنیا کے تین بڑے مذاہب کا رشتہ ہے، یہودیت، عیسائیت اور اسلام، اور نسلی اعتبار سے بھی وہ مختلف قوموں کا مسکن رہا ہے، کنعانی، آموری، اَشوری، بابلی وغیرہ، ایران کے بت پرست بادشاہوں نے بھی اس خطہ کی اینٹ سے اینٹ بجائی ہے اور جب رومیوں نے عیسائیت قبول کیا تو انھوں نے بھی وہاں یہودیوں کا قتل عام کیا، ظاہر ہے یہاں فاتحین کی بھی ایک معتد بہ تعداد نے قیام کیا ہوگا؛ اس لیے آج کل جو یہودی، مذہب یا وطن کی بنیاد پر فلسطین پر اپنا استحقاق جماتے ہیں، ان کا دعویٰ درست نہیں ہے، اگر یہاں یہودیوں کی مقدسات ہیں تو عیسائیوں کی بھی ہیں اور مسلمانوں کی بھی، یہود کہتے ہیں کہ یروشلم ان کا مقدس ترین شہر ہے، جو اُن کے عقیدے کے مطابق دنیا کا وسط ہے، اور یہیں ان کا ہیکل تعمیر ہوا تھا، مسجد اقصیٰ کے مغرب میں دیوار گریہ واقع ہے، یہ یہودیوں کے نزدیک سب سے مقدس مقام ہے، یہیں جبل صیہون اور جبل موریاہ ہیں، ان دونوں پہاڑوں سے ان کی متبرک یادیں وابستہ ہیں، یہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت اور حضرت داؤد علیہ السلام کی قبر ہے، ان کے خیال میں یہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے حضرت اسحاق علیہ السلام کی قربانی دی تھی، تورات کے بیان کے مطابق یہیں خدا نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے کلام کیا تھا؛ اس لیے وہ اس کے وارث ہیں؛ مگر ان کی یہ بات قابل قبول نہیں ہے؛ کیوں کہ اسی شہر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی ہوئی اور عیسائیوں کے لیے اس سے بڑھ کر مقدس مقام اور کیا ہوسکتا ہے؟ عیسائیوں اور یہودیوں کے عقیدہ کے مطابق یہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دی گئی اور ان کو دفن کیا گیا اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہیں سے وہ آسمان کی طرف تشریف لے گئے، اسی خطہ میں انھوں نے دعوت حق کا جھنڈا بلند کیا۔

اگر مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہود جن انبیاء کی نسبت سے اس کو مقدس مانتے یں، مسلمان بھی ان تمام انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں؛ بلکہ وہی ان کی حقیقی تعلیمات کو انسانیت تک پہنچانے کا کام کر رہے ہیں، اور ان انبیاء کی نسبت سے جو مقامات ہیں، ان کا پورا احترام کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ حرمین شریفین کے بعد

مسلمانوں کے نزدیک بیت المقدس افضل ترین جگہ ہے، یہیں مسجد اقصیٰ واقع ہے، جو مسلمانوں کا قبلۂ اول ہے اور یہیں قبۃ الصخرۃ ہے، جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا سفر فرمایا ہے؛ اس لیے صرف مذہبی مقامات کی وجہ سے شہر کی ملکیت ثابت ہوتو اس کے سب سے زیادہ مستحق مسلمان ہیں؛ مگر حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دور میں مقدس مقامات کی وجہ سے کسی قوم کو زمین کا وارث نہیں مانا جاتا، اگر ایسا ہوتو ہندوستان کو بدھ مت کے پیروکاروں کے حوالہ کر دینا چاہیے، ایسی بنیادوں پر اگر صدیوں سے آباد ملکوں کی نوعیت تبدیل کی جائے تو اس سے دنیا میں ایک بڑا فساد شروع ہو جائے گا۔

یہود کہتے ہیں کہ وہی اس ملک کے اصل اور سب سے قدیم باشندے ہیں، ان کو اجاڑ کر دوسری قوموں نے اس خطہ پر قبضہ کیا ہے؛ لیکن اول تو یہ بات ہی قابل غور ہے کہ کسی خطہ پر جو قوم آباد ہے، کیا اس کو ہٹا کر صدیوں پہلے جو قوم آباد رہی ہے، اس کو وہاں لا کر آباد کیا جا سکتا ہے؟ غور کیجیے کہ اس سے پوری دنیا میں کس قدر افراتفری پیدا ہوگی، ایسی صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ امریکہ ریڈ انڈینس کا ہے، امریکہ کی سفید فام آبادی کو ملک بدر کر کے وہاں ریڈ انڈین قوم کو آباد کرنا اور اقتدار حوالہ کرنا ہوگا، ضروری ہوگا کہ آریہ نسل لوگوں کو بھارت سے ملک بدر کیا جائے اور پورے ملک میں دراوڑی نسل کے لوگوں کو بسایا جائے یا کم سے کم اقتدار کی باگ ڈور اُن کے ہاتھ میں دی جاے، کیا یہ بات ممکن ہے؟ نامعلوم تاریخ سے مختلف اقوام کی ایک علاقے سے دوسرے علاقے کی طرف ہجرت کا سلسلہ جاری ہے، دنیا میں کم ہی ایسی قومیں ملیں گی کہ ان کے ذریعہ اس خطہ میں انسانی آبادی شروع ہوئی ہو اور تسلسل کے ساتھ وہی اس ملک میں موجود ہوں۔

جہاں تک فلسطین کی بات ہے تو تاریخی محققین کے نزدیک یہاں پہلے آموری آباد تھے، اس کے بعد یہاں عرب سے کنعانی آئے اور اسی نسبت سے ان کو کنعان کہا جانے لگا، یہ کنعانی بعد میں آہستہ آہستہ مسلمانوں کا حصہ بن گئے، پھر اس خطہ پر مختلف قوموں کا اقتدار رہا، اسیریوں کا، بابلیوں کا، عبرانیوں کا، یونانیوں کا، رومیوں کا، ایرانیوں کا، سلجوقیوں کا اور عثمانیوں کا، ظاہر ہے کہ جس زمانے میں جو قوم برسر اقتدار رہتی ہے، اس قوم سے تعلق رکھنے والے لوگ اس خطہ ارض پر آباد بھی ہوتے ہیں۔

دوسرے: یہ بات بھی غلط ہے کہ یہود یہاں کی قدیم ترین قوم ہیں، آثار قدیمہ کی کھدائی سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہاں پہلے غیر سامی قبائل آباد تھے، جن کے یہاں مُردوں کو جلایا جاتا تھا؛ اس لیے کہ آثار قدیمہ کی کھدائی میں کئی جگہ ایسی قبریں ملی ہیں، جن میں جلائے ہوئے مردے دفن کیے گئے ہیں، پھر یہاں آموری آباد ہوئے، جن کی نسل غالباً ختم ہو چکی ہے، پھر عرب سے کنعانی آئے، ان کے دور میں یہاں دریائے فرات اور

دریائے اردن کی دوسری طرف سے لوگ آئے، کنعان کے لوگ ان کو ''عبرم'' کہتے تھے، جس کے معنی تھے باہر سے آنے والے، یہی لفظ وقت کے گزرنے کے ساتھ عبرانی بن گیا، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عبرانی کے لفظ میں ہی یہ بات موجود ہے کہ فلسطین ان کا اصل آبائی وطن نہیں تھا؛ بلکہ وہ دریائے فرات کی دوسرے جانب سے آکر یہاں آباد ہوئے تھے، مؤرخین کہتے ہیں کہ ''اُرُ'' نامی مقام سے کنعانی یہاں آئے تھے اور ''اُرُ'' حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دور ہزار سال پہلے تہذیب وثقافت کا عظیم مرکز تھا، قرآن مجید کے بیان اور مفسرین کی تشریح سے یہ بات واضح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق میں پیدا ہوئے تھے، اور وہیں انھوں نے صدائے توحید بلند کی تھی، اگر یہود عبرانی ہیں اور عبرانی ان کے دعوے کے مطابق حضرت ابراہم علیہ السلام کی اولاد ہیں تو یہ بات صاف ہوگئی کہ یہودی فلسطین کے اصل باشندے نہیں ہیں، وہ عراق میں واقع دریائے فرات کی دوسرے جانب سے یہاں پہنچے تھے؛ اس لیے یہودیوں کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کہ وہ فلسطین کے حقدار اس لیے ہیں کہ وہ یہاں کے سب سے قدیم باشندے ہیں۔

غرض کہ اول تو کسی ملک پر دعویٰ کرنے کی یہ بنیاد ہی صحیح نہیں ہے کہ وہ اس کے قدیم شہری ہیں، دوسرے: دعویٰ بھی غلط ہے کہ وہ یہاں کے سب سے قدیم باشندے ہیں، اللہ تعالیٰ جزائے دے علامہ اقبال کو کہ انھوں نے دو مصرعوں میں یہودیوں کی اس کھوٹی دلیل کا جواب دے دیا ہے، فرماتے ہیں:

ہے ارض فلسطین پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پہ کیوں نہیں حق اہل عرب کا

بابائے قوم مہاتما گاندھی جی نے بھی یہودیوں کے اس غلط دعوے اور اہل مغرب کی بے جا تائید پر صاف لفظوں میں رَد کیا ہے، انھوں نے اپنے اخبار ''ہریجن'' ۱۲/نومبر ۱۹۳۸ء میں ذکر کیا ہے:

''اگر چہ مجھے یہود سے مکمل ہمدردی ہے؛ لیکن یہ ہمدردی مجھے انصاف کے تقاضوں سے اندھا نہیں کرسکتی، یہود کی قومی وطن کی آواز مجھے متاثر نہیں کرتی، فلسطین اسی طرح عربوں کا ہے، جس طرح انگلینڈ انگریزوں اور فرانس فرانسیسیوں کا، یہود کو عربوں پر مسلط کرنا غلط ہوگا، اگر یہود کا فلسطین کے علاوہ کوئی وطن نہیں ہے تو کیا دوسرے ممالک میں رہنے والے یہود کا ان ممالک سے نکالنے کے لیے تشدد کرنا جائز ہوگا؟ یا وہ دوہری وطنیت چاہتے ہیں؟ تورات والا فلسطین اب جغرافیائی چیز نہیں ہے، صرف یہود کے دلوں میں ہے''۔

یہودی یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ ہماری ارض موعود ہے اور اس کے لیے وہ تورات کی مختلف عبارتوں کا حوالہ دیتے ہیں:

- ''خدا نے ابراہیم کو کہا: اپنے ملک کو چھوڑ و اور اس علاقے میں چلے جاؤ، جو میں تمہیں دکھاؤں، اس علاقے میں دنیا کے نعمت یافتہ خاندان آباد ہوں گے''
- ''اے اسرائلی وہ دن آرہے ہیں، جب تیری نسل زمین کے تباہ شدہ شہروں کو تعمیر کر کے آباد کرے گی اور میں انہیں اپنی دی ہوئی زمین میں اس طرح مستحکم طور پر آباد کروں گا کہ پھر کوئی انہیں نکال نہ سکے گا''
- ''خدا نے ابراہیم سے حتمی وعدہ کیا کہ وہ اس کی نسل کو ستاروں کی طرح زیادہ کر دے گا اور ارض موعود پر انہیں حکمرانی عطا کرے گا''
- ''میں تیرے جانشینوں کو آسمان کے ستاروں کے برابر کردوں گا، اور یہ ساری زمین جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا ہے، انہیں عطا کردوں گا اور اس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ آباد رہیں گے''

تورات کے ان ارشادات پر غور کیجیے! پہلی بات یہ ہے کہ خدا نے یہ وعدہ ابراہیم کی نسل کے لیے کیا ہے، حضرت ابراہیم کے دو صاحبزادے تھے، حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق، حضرت اسماعیل کی اولاد عرب ہیں جنھوں نے اسلام قبول کیا اور حضرت اسحاق کی نسل سے یہودی ہیں، تو صرف یہودی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل نہیں ہیں، یہ وعدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واسطے سے دونوں قوموں کو حاصل ہے، بنی اسماعیل کو بھی اور بنو اسرائیل کو بھی، دوسرے اس میں کہا گیا ہے کہ میں تیرے جانشینوں کو اور تیری نسل کو ستاروں کے برابر کردوں گا، یعنی نسل ابراہیمی کی تعداد بہت بڑھ جائے گی، اب غور کیجیے کہ دنیا میں یہودیوں کی کتنی قلیل آبادی ہے، اس وقت ان کی آبادی ایک کروڑ ہے اور کبھی بھی کروڑ ڈیڑھ کروڑ سے زیادہ یہودیوں کی آبادی نہیں ہوئی؛ اس لیے اس پیشین گوئی کا مصداق مسلمان ہی ہو سکتے ہیں، جن کی آبادی دنیا میں دو ارب کے قریب ہے، ایشیاء، افریقہ اور یوروپ میں تقریباً ساٹھ ممالک ان کے زیر اقتدار ہیں اور دنیا کے کونہ کونہ میں مسلمانوں کی قابل لحاظ آبادی موجود ہے؛ اس لیے اس پیشین گوئی کا مصداق مسلمان ہیں نہ کہ یہود۔

بین الاقوامی قانون کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ فلسطین پر مسلمانوں نے حکومت صرف جنگ وجدال سے نہیں قائم کی؛ بلکہ اس وقت جو قوم برسر اقتدار تھی یعنی عیسائی، باقاعدہ معاہدہ کی بنیاد پر ان سے حاصل کی، جو سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عیسائی حکمران کے درمیان ہوا تھا اور صلیبی جنگوں کے بعد بھی انگلینڈ کے صلیبی افواج کے سربراہ کی حیثیت سے رچرڈ نے یہ علاقہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے بھائی ملک العادل کے ساتھ اپنی بہن کی شادی کرتے ہوئے جہیز میں دینے کا فیصلہ کر کے بیت المقدس پر دعویٰ سے دستبردار ہو گیا تھا، اس طرح جو برسر اقتدار حکومت تھی، مسلمانوں نے ایک معاہدہ کے تحت فلسطین کے خطہ کو

حاصل کیا ہے اور وہ اس وقت سے ہمیشہ اس ملک میں آباد رہے ہیں، فلسطین سے یہودیوں کے تعلق کا حال یہ ہے کہ ۱۴۹۵ء میں یروشلم میں صرف دوسو یہودی تھے اور ایک سیاح کے بیان کے مطابق ۱۲٦٧ء میں صرف دو یہودی خاندان آباد تھے؛ لیکن مسلمان حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کی فتح کے بعد سے ہمیشہ فلسطین کو اپنے سینہ سے لگائے رہے، سوائے اس وقفہ کے جب کہ صلیبیوں نے زبردستی اس پر قبضہ کیا اور ۱۹۴۸ء کے بعد جب مغربی طاقتوں کی سازش سے اسرائیل کا خنجر عربوں کے سینہ میں گھونپ دیا گیا؛ اس لیے تاریخی حقائق بین الاقوامی اور نسلی تعلق کے اعتبار سے بھی فلسطینی اور ان کے واسطہ سے امت مسلمہ ہی اس ارض مقدس کی مالک ہے، یہ نہ صرف اسلامی تعلیمات کا حاصل ہے؛ بلکہ بین الاقوامی قانون بھی اس کی پشت پر ہے!!!

❑❖❑

اصلاحِ معاشرہ

عزت وشرف کے حامل کیسے بنیں؟

ازقلم: حضرت مولانا مفتی سیّد محمد عفان صاحب منصور پوری (صدرالمدرسین جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم: أي الناس أكرم؟ قال: "أكرمهم عند الله أتقاهم" قالوا: "ليس عن هذا نسألك، قال: "فأكرم الناس يوسف نبي الله ابن نبي الله ابن خليل الله، قالوا: ليس عن هذا نسألك، قال:"فعن معادن العرب تسالوني؟ قالوا: نعم! قال: "فخياركم في الجاهلية خياركم في الإسلام إذا فقهوا. (اخرجه البخاري حديث رقم: ٣٣٧٤)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ عزت، شرافت، بزرگی اوراونچے مقام والا کون شخص ہے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشادفرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے یہاں وہ ہے جواللہ سے ڈرتا ہو، اللہ کی نافرمانی سے بچتا ہو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہمارا سوال یہ نہیں ہے، ہم اس کے متعلق پوچھنا نہیں چاہتے ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھرفرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ بزرگی والے حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جوخوداللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اوراللہ تعالیٰ کے نبی کے بیٹے ہیں اوروہ بیٹے ہیں اللہ کے خلیل کے (یعنی مطلب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ اسلام ایسے شخص ہیں کہ ان کے آباءواجداد سے نبوت کا سلسلہ چلا آرہا ہے، خاندانی اعتبار سے یہ بھی نبی کے بیٹے ہیں، ان کے والد بھی نبی کے بیٹے، اور ان کے والدین کے بیٹے، چارپشتوں تک نبوت چلی گئی ہے، اس سے زیادہ خاندانی شرافت اور کیا ہوسکتی ہے) پھرلوگوں نے عرض کیا کہ ہمارا سوال ان کے متعلق نہیں ہے، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرب کے مختلف خاندانوں کے متعلق تم پوچھنا چاہتے ہو کہ عرب کے خاندانوں میں کون سب سے زیادہ عزت اور شرافت والا ہے؟ تو صحابہ نے عرض کیا کہ جی ہاں! اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں جوخاندان زمانۂ جاہلیت میں عزت اورشرف والے سمجھے جاتے تھے اسلام لانے کے بعد بھی وہی عزت اورشرف والے ہیں بشرطیکہ وہ علم حاصل کریں۔

انسان کے لیے یہ بڑی خوش نصیبی اور سعادت کی بات ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو عزت وشرافت کی زندگی سے مالا مال فرمائیں، مال چاہے انسان کے پاس کم ہو، دولت کے اعتبار سے چاہے وہ کمزوری کی زندگی گذار رہا ہو لیکن اگر عزت وشرافت کا مقام اللہ نے اس عطا کو فرما رکھا ہے تو یہ مال و دولت سے بڑی نعمت ہے، ہر عقل مند انسان عزت وشرافت کو حاصل کرنے کا جتنا متمنی اور آرزو مند ہوتا ہے دولت وثروت کو حاصل کرنے کا اتنا متمنی نہیں ہوتا۔

ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا! **أي الناس اكرم؟** اے اللہ کے رسول! یہ بتائیے کہ اللہ کی نگاہ میں دنیا وآخرت میں لوگوں میں سب سے زیادہ باعزت اور شریف کس کو قرار دیا جائے گا؟ ہم کیسے عزت وشرافت کا اعلیٰ مقام حاصل کر سکتے ہیں؟ تو ایک جملہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیا: **أكرمهم عندالله أتقاهم** کہ تم میں سب سے زیادہ محترم، سب سے زیادہ باعزت اور سب سے زیادہ شریف وہ انسان ہے جس کے دل میں اللہ کا خوف اور ڈر سب سے زیادہ پایا جا رہا ہو۔ قرآن مقدس میں بھی تقویٰ اور پارسائی کو عزت وشرافت کے لیے معیار قرار دیا گیا ہے؛ لیکن آج دنیا عزت حاصل کرنے کے لیے پیسے کے پیچھے دوڑتی ہے، آج دنیا عزت حاصل کرنے کے لیے عہدہ کے پیچھے دوڑتی ہے، آج دنیا عزت وشرافت حاصل کرنے کے لیے کرسیوں کے پیچھے دوڑتی ہے، یاد رکھیے! ان میں سے کوئی بھی چیز انسان کو حقیقی عزت وشرافت سے ہم کنار نہیں کرا سکتے، وہ عزت جس کی بدولت انسان انسانوں کے دلوں پر راج کرنے والا بنتا ہے، وہ شرافت جس کے بل پر انسان کی محبت لوگوں کے دل کے اندر گھر کر جاتی ہے، وہ اللہ کا ڈر اور خوف ہے، جب تک خوف الٰہی اور خشیت خداوندی سے انسان کا دل معمور نہیں ہوگا تو وہ باعزت وشریف اللہ کی نگاہ میں قرار نہیں دیا جائے گا۔

عزت وشرف کا معیار

ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ محض کسی خاندان کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے انسان کو شریف اور باعزت قرار نہیں دیا جا سکتا، کسی قبیلے سے تعلق کی بناء پر انسان کو باعزت وشریف نہیں کہا جا سکتا، خاندان، قبائل برادریاں یہ سب کی سب اللہ نے پہچان کے لیے بنائی ہیں، برتری کے لیے نہیں بنائی، کوئی یہ سوچنے لگے کہ میرا تعلق فلاں خاندان سے ہے تو میں سب کے سر پر بیٹھوں گا، مجھ کو برتری حاصل ہوگئی ہے، ان وجوہات کی بنیاد پر کسی کو کسی پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **کلکم ابناء أدم وادم خلق من تراب والی**

التراب يعودون. (سنن الترمذي:۲۹۵۵) تم سب کے سب آدم کی اولاد ہو، آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا، اور مٹی ہی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ولا لسيد على مسود ولا لملك على صعلوك إلا بتقوى الله وطاعته.** آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ کسی عربی کو غیر عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، کسی آقا کو غلام پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، کسی بادشاہ کو اپنی رعایا پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، فضیلت و برتری کی اور فوقیت کی اگر کوئی بنیاد ہے تو جو جتنا اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اس کا کہنا ماننے والا ہوگا وہی سب سے زیادہ افضل و برتر قرار دیا جائے گا، چاہے اس کا تعلق کسی برادری سے ہو، کسی خاندان سے ہو کسی طبقہ سے ہو، کسی سماج سے ہو، کسی ملک سے ہو، کوئی بھی بولی اور زبان وہ بولنے والا ہو۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا مقام

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس جواب کو سن کر عرض کیا کہ: **یارسول اللّٰہ! لیس عن هٰذا نسألک** ہمارے سوال کرنے کا مقصد یہ نہیں تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر کیا تھا؟ کسی خاص آدمی کے متعلق پوچھنا چاہتے ہو؟ تو سنو! **فأكرم الناس يوسف نبي الله بن نبي الله بن خليل الله** اگر کسی خاص آدمی کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہو تو اللہ کے نبی حضرت یوسف علیہ السلام گذرے ہیں جو خود ایک پیغمبر کے صاحب زادے تھے، ان کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام بھی اللہ کے نبی، حضرت اسحاق علیہ السلام کے صاحب زادے تھے اور وہ خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحب زادے تھے۔ انفرادی اعتبار سے اگر کسی کے بارے میں معلوم کرنا ہے تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جن کے خاندان میں متعدد انبیاء ہوئے، ان سے زیادہ شرف کس کو نصیب ہوگا۔

خاندانی روایات

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ مقصد بھی ہمارے سوال کا نہیں ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تو کیا تم عرب کے مختلف خاندانوں کے بارے میں مجھ سے پوچھ رہے ہو؟ یعنی ہمارے علاقہ میں جو قبائل آباد ہیں ان میں سب سے زیادہ معزز و محترم کس کو قرار دیا جائے؟ اگر تمہارے سوال کا یہ منشا ہے تو میں ایک اصولی جواب دیتا ہوں جس کا حاصل کیا ہے یہ ہے کہ ہر خاندان کے اندر بعض چیزیں ایسی پائی جاتی ہیں جو اس کا

نشان امتیاز سمجھی جاتی ہیں جن کو خاندان کی روایات میں شمار کیا جاتا ہے، کوئی خاندان ایسا ہوتا ہے جو اپنی بہادری دلیری اور شجاعت کے اعتبار سے معروف ومشہور ہوتا ہے، اس خاندان کے اکثر وبیشتر لوگ جری اور دلیر ہوتے ہیں، لوگ کہا کرتے ہیں کہ شیر کا بیٹا تو شیر ہی ہوتا ہے، ان کے یہاں یہ صفت دکھائی دیتی ہے تو وہ خاندان بہادری کے اعتبار سے ممتاز ہوجاتا ہے۔

کوئی خاندان ایسا ہوتا ہے جس میں سخاوت ودریا دلی کا چرچا ہوتا ہے، اور پشتہا پشت سے اس خاندان کے لوگ سخاوت کے اندر نمایاں ہوتے ہیں، اور آس پاس کے علاقوں میں اس خاندان کو سخاوت ہی کے نام سے جانا جاتا ہے، یہ بھی بڑی اچھی خوبی ہے۔

بعض خاندان ایسے ہوتے ہیں جن کو تعلیمی اعتبار سے ممتاز مانا جاتا ہے، اور لوگوں کی زبان پر اس طرح کی باتیں رہتی ہیں کہ فلاں خاندان کا تو بچہ بچہ پڑھا لکھا ہوتا ہے۔ ان گھروں کے اندر علم کا شوق پایا جاتا ہے، تہذیب اور سلیقہ ان خاندانوں کے اندر دکھائی دیتا ہے، تو تعلیمی اعتبار سے وہ خاندان ممتاز ہوتا ہے۔

بعض قبائل وخاندان وہ ہوتے ہیں جو مہمانوں کی ضیافت ومیز بانی کے اعتبار سے جانے جاتے ہیں، جوان کے یہاں جاتا ہے ان کی خاطر ومدارات سے اور ان کے اخلاق سے متاثر ہوجاتا ہے، اور ہر آنے والے کی زبان پر خیر کے تذکرے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے دنیا میں وہ اپنی ضیافت ومیز بانی کے بنیاد پر مشہور جاتا ہے۔ اس طریقہ سے مختلف قبائل وخاندان اور برادریوں میں مختلف طرح کے کمالات واوصاف اور خوبیاں پائی جاتی ہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، لوگوں میں سب سے زیادہ عزت وشرافت کا حامل وہ انسان قرار دیا جائے گا جو اپنے خاندان کی اچھی روایات کو زندہ رکھنے والا ہو، جو اپنے خاندان کی بہترین روایات وطور طریقہ کو برقرار رکھنے والا ہو وہ اللہ کی نگاہ میں معزز قرار دیا جائے گا، اپنے بزرگوں کی شان کو مٹی میں ملانے والا نہ ہو بلکہ ان کی شان کو بلند کرنے والا ہو، ایسا نہ ہو کہ اس کے بزرگ دنیا میں سخاوت کے اعتبار سے مشہور تھے اور اس نے بخل وکنجوسی کا مظاہرہ کر کے ان کے نام ہی پر بٹا لگا دیا ہو تو یہ تو پرانی روایات کو پامال کرنے والا ہوا، اسے اچھا نہیں مانا جائے گا۔ اسی طرح جو انسان کسی ایسے خاندان کا فرد ہے جو میز بانی اور ضیافت کے اعتبار سے جانا جاتا ہے، لیکن اس نے مہمان داری کا شیوہ اختیار ہی نہیں کیا، اس نے مہمانوں کی ضیافت کا حق نہیں ادا کیا، ان کے ساتھ اچھا برتاو اور معاملہ نہیں کیا تو اس کا یہ عمل مناسب نہیں ہوگا کیوں کہ یہ خاندان اچھی روایات کو دفن کرنے والا ہے، برقرار رکھنے والا نہیں ہے۔ اسی طرح ہمارے خاندان میں اگر علمی روایات ہیں، لوگ پڑے لکھے ہوتے چلے آئے ہیں، تو ہمیں اپنے خاندان کی ان روایات کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے، اگر آگے نہیں

بڑھا سکتے تو کم از کم اسی معیار کی تو حفاظت کریں۔ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جاہلیت کے زمانے میں بھی اسلام قبول کرنے سے پہلے اگر تمہارے خاندانوں میں یہ روایات پائی جارہی تھیں، اوران اچھی روایات کی وجہ تم معزز ومحترم مانے جاتے تھے تو اسلام قبول کرنے کے بعد بھی اگر یہ روایات تمہارے اندر برقرار رہیں تو تم معزز اور شریف کہلاوگے، اوراگران روایات کو ختم کردیا تو عزت وشرافت کا مقام حاصل نہیں ہو پائے گا، تو ہر انسان شرافت وعزت کا متلاشی ہوتا ہے، اس کے لیے لازمی چیز یہ ہے کہ وہ بلند روایات اوراچھے طریقہ کار کو زندہ رکھنے والا ہو، وہ صرف اپنی زندگی میں مگن ہوکر قیمتی اوقات کو خرچ کرنے والا نہ ہو، بلکہ دوسروں کا درد بھی اپنی دل کے اندر لیے ہوئے ہو، یہ اچھے انسان کی نشانی ہوتی ہے، وہ کسی دکھی انسان کو دیکھ کر محسوس کرتا ہو، اوراس فکر میں مبتلا ہوجاتا ہو کہ کیسے میں اس کی زندگی سے دُکھ کو دُور کروں۔

❑❖❑

اصلاحِ معاشرہ

عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم پر بھی توجہ دیں

ازقلم: مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب، سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

اللہ سے کرے دور وہ تعلیم بھی فتنہ
املاک بھی، اولاد بھی، جاگیر بھی فتنہ
ناحق کے لیے اٹھے تو شمشیر بھی فتنہ
شمشیر ہی کیا نعرۂ تکبیر بھی فتنہ

بزرگوں نے کہا ہے کہ جس زمین پر بارش نہیں ہوتی، وہاں کی فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں، اسی طرح جن بستیوں میں دین کا علم نہیں ہوتا، وہاں کی نسلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ ناسک میں یشونت راؤ چوہان اوپن یونیورسٹی قائم ہے۔ اس کے سابق وائس چانسلر جو بڑے ماہر تعلیم تھے، کسی تعلیمی پروگرام میں ان سے میری ملاقات ہوئی، اس پروگرام میں میری تقریر ہوئی، اور پھر چانسلر صاحب کا صدارتی خطاب ہوا، انہوں نے اپنی تقریر کے آغاز میں ایک ایسی بات کہی جواب تک میرے دل پر نقش ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے قرآن پڑھا ہے، اور میں جانتا ہوں کہ قرآن کا پہلا لفظ اقراء ہے، یعنی پڑھو۔ پھر انہوں نے میری جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ میں اپنے بہت ہی محترم دوست مولانا صاحب سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ جس قوم کی مذہبی کتاب کا سب سے پہلا لفظ اقراء ہے، وہ دنیا میں تعلیم کے لحاظ سے سب سے زیادہ پچھڑی ہوئی قوم کیوں ہے؟ آپ یقین مانیے کہ اس دن میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا، اور آج بھی میں اپنے آپ کو اس پوزیشن میں نہیں پاتا کہ میں اس سچے اور تلخ سوال کا کوئی جواب دے سکوں! آپ دیکھیں گے کہ ہمارے بچے بچیاں عصری تعلیم کے میدان میں پیچھے رہ جا رہے ہیں، حالانکہ بند دروازوں کو کھولنے والی چیز تعلیم ہے، اور ہمارے بہت سے مسائل کا حل بھی اعلیٰ اور معیاری تعلیم میں پوشیدہ ہے، کاش اس حقیقت کو ہم سمجھتے کہ آگے بڑھنے کے لیے اعلیٰ اور معیاری تعلیم کی سیڑھی ضروری ہے، اس زینے کے بغیر ہم ترقیات کی عمارت پر چڑھ نہیں سکتے، ہمارے عزیزوں اور نونہالوں کو بہتر اور اعلیٰ عصری تعلیم حاصل کرنے کے لیے غیر معمولی جد و جہد کرنی چاہیے، اور ایک نشانہ متعین کر کے اس کے مطابق اپنے آپ کو آگے بڑھانا چاہیے، کسی کا شعر ہے ؎

مل ہی جائے گا ہدف خواہ ہو کتنا ہی بلند
شرط یہ ہے کہ کوشش اسی معیار کی ہو

یہ بھی المیہ ہے کہ ہمارے جو بچے بچیاں عصری تعلیم حاصل کررہے ہیں ان کا بڑا طبقہ دینی تعلیم سے محروم ہو جارہا ہے جس کی وجہ سے ان میں آزادخیالی، بے راہ روی اور بے دینی اور بے عملی پیدا ہورہی ہے، جوملت کے لیے سخت نقصان دہ ہے، آج ہمارے کالج کے جوانوں کو پاکی تک کے مسائل معلوم نہیں ہیں، انہیں نہیں معلوم کہ غسل میں کتنے فرائض ہیں، تیمّم کس طرح کیا جاتا ہے، اگران سے سوال کیا جائے کہ تیمّم کا طریقہ کیا ہے؟ تو نہیں بتا پاتے، ہمارے ایک بڑے بزرگ نے تیمّم کے سلسلے میں ایک لیڈر کا پرلطف واقعہ لکھا ہے۔

ایک لیڈر صاحب چند علماء کے ساتھ سفر کررہے تھے، سفر کرتے کرتے نماز کا وقت ہوگیا، اور ایسی جگہ یہ لوگ تھے جہاں پانی کا انتظام نہیں تھا، تو علماء نے کہا کہ تیمّم کرلیا جائے اور نماز پڑھ لی جائے، انہوں نے سوچا کہ تیمّم تو ہم بھی کرلیں گے، حالانکہ علماء موجود تھے اس لیے لیڈر صاحب کو چاہیے تھا کہ پوچھ لیتے کہ تیمّم کس طرح کیا جائے؟ لیکن وہ لیڈر صاحب تھے اگر پوچھ لیتے تو مکروہ تحریمی ہوجاتا اور ان کی بلند وبالا شان گھٹ جاتی، تو انہوں نے پوچھنے کی زحمت نہ کی، اتنا تو جانتے تھے کہ تیمّم مٹی سے ہوتا ہے، انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، مٹی لی اور اپنی عقل استعمال کی کہ پانی کی جگہ مٹی ہے اور پانی سے وضو کیا جاتا ہے، مٹی سے تیمّم کیا جاتا ہے، اور پانی سے وضو کرنے میں کلی سے آغاز ہوتا ہے تو انہوں نے بھی ایک مٹھی مٹی لی اور منہ میں ڈال دی، اب علماء نے ان کو ٹوکا کہ حضرت! آپ یہ کیا کررہے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: تیمّم کررہا ہوں، وہ تو اچھا ہوا کلّی ہی میں دیکھ لیا ورنہ ناک میں بھی مٹی ہی ڈالی جاتی، آپ کو یہ واقعہ سن کر ہنسی آئے گی، لیکن اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیے کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ تیمّم کا طریقہ کیا ہے؟ بہت سارے لوگ تیس اور چالیس سال کے ہوجاتے ہیں ان کو نماز کے فرائض کا علم نہیں ہوتا۔ وہ نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کن چیزوں سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ یہ ہماری کمی ہے جس کو دور کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ آپ یہ احساس اپنے دل میں پیدا کیجیے کہ دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ اولاد کو دین کی تعلیم بھی دلانی ہے بلکہ خود بھی دین کا علم حاصل کرنا ہے۔

دینی تعلیم سے دوری کی وجہ سے کتنے مسائل پیدا ہوئے، ہماری عبادات ناقص، معاملات ہمارے خراب، تجارت ہماری برباد، ہر شعبے میں افراتفری مچی ہوئی ہے۔ جن کو دین کی تعلیم نہیں ملی، آپ دیکھ لیجیے ان کی کیا صورت حال ہے، میں پورے ملک کے مختلف حصوں میں جاتا ہوں، اللہ مجھے موقع دیتا ہے، مسلم پرسنل لا بورڈ کی ذمہ داری مجھ پر ہے، حالات وواقعات نگاہ کے سامنے آتے ہیں، اصلاح معاشرہ کے کاموں کے سلسلے میں

ایک بڑی مسلم آبادی والے علاقے میں میرا جانا ہوا تھا، وہاں مسلم پرسنل لا بورڈ کی اصلاح معاشرہ کمیٹی برائے خواتین کی ذمہ دار بہنوں نے بتایا کہ یہ کہتے ہوئے ہمیں شرم محسوس ہورہی ہے کہ ہمارے علاقے میں پچھلے ایک سال میں سو مسلم لڑکیاں غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ چلی گئیں اور صرف غیر شادی شدہ لڑکیاں ہی نہیں شادی شدہ عورتیں بھی مرتد ہوکر اپنے شوہر اور بچوں کو چھوڑ کر غیر مسلموں کے ساتھ چلی گئیں۔

اسی پونہ شہر کے چند ذمہ دار احباب نے بتایا کہ ہمارے یہاں (اکتوبر ۲۰۱۶ء سے اکتوبر ۲۰۱۷ء تک) ۴۴ مسلمان لڑکیاں غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ شادی کرچکی ہیں، اب جو اعداد و شمار ہیں وہ ہمارے آپ کے سامنے ہیں، انہوں نے یہ دردناک واقعہ بھی بتایا کہ ہم نے سرکاری ویب سائٹ کے ذریعہ نام اور پتے معلوم کیے جب کورٹ میں کورٹ میرج کی درخواست دی جاتی ہے۔ میرے علم کے مطابق ایک مہینے کے بعد اس درخواست پر عمل درآمد ہوتا ہے، یہ مدت اس لیے بھی رکھی گئی ہے کہ اگر گھر والوں یا کسی اور کو کوئی اعتراض ہو تو وہ کاروائی کر سکتا ہے، جن لڑکیوں نے غیر مسلم لڑکوں سے شادی کی درخواست دی تھی اور ان میں سے ایک ایک کے گھر جا کر انہوں نے ان کے والدین کو سمجھایا کہ آپ کی بچی کیا کرنے جارہی ہے، آپ اس کو روکیے، آپ کو پڑھ کر اذیت ہوگی کہ اس لڑکی کے ماں باپ نے یہ جواب دیا کہ ہم کو اس کی خبر ہے، ہم آزاد خیال لوگ ہیں ہمیں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ہماری لڑکی کس کے ساتھ نکاح کررہی ہے! ہماری رضامندی کے ساتھ وہ ایسا کررہی ہے، آپ لوگ اس میں دخل نہ دیں۔

یہ چند مثالیں ہیں جن سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ ارتداد کی لہر کتنی تیزی سے بڑھتی اور پھیلتی جارہی ہے اور ارتداد کی راہ پر چلنے والے کس طرح اپنے آپ کو دین و ایمان سے محروم کررہے ہیں، قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جو کوئی دین سے پھر جائے گا دنیا اور آخرت میں اس کے سارے اعمال برباد ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اسے کسی کی عبادت و ریاضت کی کوئی ضرورت نہیں، وہ تو آسمان و زمین، شجر و حجر کا پیدا کرنے والا، دریا اور سمندر بہانے والا، انسان اور جنات، حیوانات اور نباتات اور پوری کائنات کو بنا نے والا، قرآن، زبور، تورات، اور انجیل اتارنے والا، جبریل و میکائیل اور اسرافیل و عزرائیل کا رب اور پوری کائنات کو لفظ کن کے ذریعے چلانے والا ہے، وہ غنی اور بے نیاز ہے اس کو کسی کی کوئی حاجت نہیں، اگر پوری کائنات اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اور کفر کے راستے پر چل پڑے، اور سرکشی اور تکبر کا راستہ اپنائے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت شان میں ایک ذرہ کے برابر کمی نہیں آئے گی۔ اللہ کی قوت و طاقت سب سے بڑھ کر ہے۔ قرآن میں صاف کہا گیا کہ اگر تم نہیں ہوں گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو کھڑا کرے گا جو تمہاری طرح نہیں ہوگی۔

''اس تناظر میں ہمیں یہ عہد کرنا چاہیے کہ ہمیں ایک ایک گھر میں دین اور دنیا کی تعلیم پہنچانی ہے، خود بھی دین سیکھنا ہے اور اپنی اولاد کو بھی دین سکھانا ہے، اپنی اولاد کو آخرت کے لیے ذخیرہ بنانا ہے اور اپنی اولاد کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک اور بڑھاپے کی لاٹھی بنانا ہے، یقین کیجیے اگر آپ نے اپنی اولاد کو دین کی تعلیم نہیں دی، صرف دنیا کے علوم پڑھائے، تو یاد رکھنا آپ مر رہے ہوں گے اور آپ کا بچہ کرکٹ کے میدان میں ہوگا، اگر ہم دنیا و آخرت کی بھلائی چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی اولاد کو دین دار اور تعلیم یافتہ بنانا ہوگا۔

❑❖❑

اصلاحِ معاشرہ

سود کی مذمت اور اُس کا انجام

مفتی محمد علی صاحب قاسمی، مہتمم جامعہ قاسم العلوم، عیدگاہ مسجد جے نگر فورتھ بلاک، بنگلور۔۱۱

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بہت ساری نعمتوں سے نوازا، اُن تمام نعمتوں میں سے ایک اہم نعمت مال کی نعمت ہے، اللہ نے اِس نعمت کو اس لیے عطا فرمایا تا کہ انسان اپنی دنیوی ضرورتوں کو پورا کریں؛ لیکن شریعتِ اسلامیہ نے ہر شخص کو حلال و جائز طریقہ سے مال کمانے کا مکلّف بنایا ہے؛ اس لیے کہ کل قیامت کے دن ہر ایک کو اس کا جواب دینا ہوگا کہ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ اِن دنوں حصولِ مال کے لیے ایسی دوڑ شروع ہوگئی ہے کہ اکثر لوگ اِس کا بھی اہتمام نہیں کرتے کہ مال حلال وسائل سے آرہا ہے یا حرام وسائل سے؛ حالاں کہ حرام مال کے استعمال سے آدمی جہنم میں جائے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حرام مال سے جسم کی بڑھوتری نہ کرو؛ کیوں کہ اس سے بہتر آگ ہے۔ (ترمذی) نیز نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: حرام کھانے، پینے اور حرام پہننے والوں کی دعائیں قبول نہیں ہوتی۔

ہمارے معاشرہ میں جو بڑے بڑے گناہ عام ہوتے جارہے ہیں اُن میں سے ایک بڑا خطرناک گناہ سود ہے، سودی لین دین حرام اور ناجائز ہے، اللہ کے غضب اور غصے کا ذریعہ ہے، خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ اور اس کے رسول سے اعلانِ جنگ کے مترادف ہے، سود کی وجہ سے معاشرہ میں بغض وعداوت اور نفرت ودشمنی عام ہوتی ہے، قتل وغارت گری اور جنگ وجدال کا مسموم ماحول پروان چڑھتا ہے، سود کی وجہ سے سماج میں معاشی واقتصادی ناہمواری پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے مالدار کا مال بڑھتا ہے اور غریب کی غربت میں اضافہ ہوتا ہے؛ اس لیے مذہبِ اسلام نے سود کو حرام قرار دیا۔

سود حرام ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَایَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ، ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا، وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (سورۃ البقرۃ:۲۷۵)

ترجمہ: سود کھانے والے لوگ جب قیامت والے دن قبروں سے اٹھیں گے تو اُس شخص کی طرح اٹھیں گے

جسے شیطان نے چھوکر مخبوط الحواس (پاگل) بنادیا ہو یہ عذاب اِس لیے ہوگا کہ دنیا میں یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ بیع بھی تو سود کی طرح ہوتی ہے؛ حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال جب کہ سود کو حرام قرار دیا۔

سود کو اللہ گھٹاتے ہیں:

﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾ (سورۃ البقرہ:۲۷۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سود کے مال کو گھٹاتے ہیں اور صدقہ کے مال کو بڑھاتے ہیں۔

عن ابن مسعود رضي الله عنه أن النبي صلّى الله عليه وسلم قال: الربا وإن كثر فإن عاقبته تصير إلٰى قلّ. (مسند احمد ٣٧٥٤)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود اگرچہ دیکھنے کے اعتبار سے زیادہ ہی دکھائی دے؛ لیکن انجام کے اعتبار سے کم ہی ہوتا ہے۔

سودی معاملات فی الفور چھوڑ دیے جائیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَابَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○﴾

(سورۃ البقرۃ:۲۷۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم واقعی پکے سچے مومن ہو تو اللہ سے ڈرو اور سود کے (سابقہ) معاملات چھوڑ دو۔

سود خور سے اللہ کا اعلان جنگ:

﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَاتَظْلِمُوْنَ وَلَاتُظْلَمُوْنَ○﴾ (سورۃ البقرۃ:۲۷۹)

ترجمہ: پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا (یعنی سودی معاملات کو نہ چھوڑا) تو اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے اور اگر تم توبہ کرلو (سودی معاملات کو مکمل چھوڑ دو) تو تمہارا اصل سرمایہ تمہارا حق ہے وہ تم لے لو۔

سودی معاملات سے متعلقہ تمام افراد پر لعنت:

عن جابر رضي الله عنه قال لعن رسول الله صلّى الله عليه وسلم آكل الربا ومؤكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء. (صحيح مسلم ٤١٠٠)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے، سود دینے، سودی حسابات ومعاملات لکھنے اور سودی لین دین پر گواہ بننے والوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا ہے کہ یہ تمام لوگ گنہگار ہونے میں برابر کے شریک ہیں۔

ماں سے زناہ کرنے سے بھی بڑا گناہ:

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال، قال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم: الربا سبعون حوبا، أيسرها أن ينكح الرجل أمه. (سنن ابنِ ماجه: ٢٢٧٤)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود کے اندر ستر قسم کے گناہ پائے جاتے ہیں اور اُن میں سے سب سے کم درجے کا گناہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے۔

عذاب کی مستحق قوم:

عن عبد الرحمٰن بن عبد اللّٰه بن مسعود عن أبيه رضي اللّٰه عنه عن رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم قال: ماظهر في قوم الزنا والربا إلاأحلوا بأنفسهم عقاب اللّٰه جلا وعلا. (صحيح ابنِ حبان: ٤٤١٠)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی قوم میں زنا اور سود پھیل جائے تو وہ قوم اپنے آپ کو اللہ کے عذاب کی مستحق بنالیتی ہے۔

اِس وقت پورے عالم میں جو حالات مسلمانوں پر ہیں اُس کی ایک بڑی وجہ گناہوں سے اپنے آپ کو نہ بچانا ہے بالخصوص سود کے گناہ سے؛ لہٰذا ہم خود نیت کریں اور دعا کریں اللہ رب العزت سود کی وبا سے تمام مسلمانوں کی حفاظت فرمائیں۔

❑❖❑

اصلاحِ معاشرہ (قسط ہفتم)

قلب کو اخلاقِ محمودہ سے مزین کرنے کا بیان

از قلم: مفتی محمد سلطان خان قاسمی، امام وخطیب مسجد ابو بکر صدیق، ڈی جے ہلی، بنگلور

مدت مقدار اور جنس کے اعتبار سے زہد کے اعلیٰ، ادنیٰ اور اوسط درجے کو بیان کیا گیا؛ نیز مذکورہ تینوں ضروریاتِ زندگی میں کس شان کے ساتھ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی ازواجِ مطہراتؓ اور آپؐ کے جاں نثار صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے زہد کے اعلیٰ درجے پر زندگی گزار کر ہم سب کے لیے جو نمونہ پیش کیا تھا اُس کو بیان کیا گیا۔

اب مندرجہ ذیل سطور میں لباس، مکان اور اثاث البیت میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاءِ عظام علیہم السلام کی حیاتِ طیبہ کی روشنی میں زہد کے اعلیٰ درجے کو بیان کیا گیا ہے۔

لباس کے متعلق زہد کے درجے

لباس میں اعلیٰ درجے کا زہد یہ ہے کہ صرف اتنے کپڑے پر قناعت کرے جس سے ستر چھپ جائے اور سردی گرمی رفع ہو سکے اور ادنیٰ درجہ کا زہد یعنی اعلیٰ درجے کا لباس یہ ہے کہ کسی کھر درے کپڑے کا کرتہ پاجامہ اور ایک رومال رکھے، پس اگر دو کرتے بھی پاس ہوں گے تو زہد ہاتھ سے جاتا رہے گا، زہد میں کم سے کم یہ تو ضرور ہونا چاہیے کہ اگر پہنے ہوئے کپڑوں کے دھونے کی ضرورت پیش آئے تو دوسرا جوڑا پاس نہ نکلے؛ بلکہ رومال باندھ کر دھولے اور پھر ان کو پہن لے۔ (تبلیغ دین: ص/۱۷۷ ترجمہ از: الاربعین فی اصول الدین: ص/۳۶۰)

لباس میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا زہد

چناں چہ ہم حدیثِ مبارکہ کا جائزہ لیں گے تو ہمیں بخوبی معلوم ہوگا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی زہد کے اعلیٰ درجے پر گزاری ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے، حضرت ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ''امی عائشہ رضی اللہ عنہا نے صوف کی ایک چادر اور ایک موٹا کرتا نکال کر مجھ کو دکھایا اور فرمایا کہ اِن دو کپڑوں میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا''۔

مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اِن دو کپڑوں کے علاوہ کوئی اور کپڑا موجود نہیں تھا، بریں بناء امی عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ان دو کپڑوں میں وصال ہوا، حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

عَنْ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ: أَخْرَجَتْ إِلَيْنَا عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا كِسَاءً ا مُلَبَّدًا وَإِزَارًا غَلِيْظًا فَقَالَتْ قُبِضَ رُوْحُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذَيْنِ. (متّفق عليه)

(مشكاة، كتاب اللباس، الفصل الأوّل: ص/٣٧٣، حديث: ٤٣٠٦، أورده الإمام غزالي في الأربعين في أصول الدين: ص/٣٦١)

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نعلین کا ایک نیا جوڑا پہنا اور پسند آیا تو فوراً سجدہ میں گر پڑے۔ اور فرمایا کہ: مجھے نعلین اچھی معلوم ہوئیں اور اندیشہ ہوا کہ حق تعالیٰ غصہ نہ ہو جائیں؛ اِس لیے میں تواضعاً سربسجود ہو گیا، یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور جو مسکین سب سے پہلے نظر پڑا اُس کو مرحمت فرما دیا۔ (تبلیغ دین: ۱۷۷، ترجمہ از: الاربعین فی اصول الدین: ص/۳۶۱)

عبارت پیشِ خدمت ہے: وكان رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم قد احتذى نعلين جديدين، فأعجبه حسنهما، فخر ساجدا، فقال: أعجبني حُسنهما فتواضعتُ لربيّ خشية أن يمقتني ثم خرج بهما فدفعهما إلىٰ أوّل مسكين رآه. (ذكره أبو طالب المكي في قوت القلوب في الجزء الثاني: ص/٧٥٨. أورده الإمام غزاليّ في الأربعين في أصول الدين: ص/٣٦١)

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی قمیص زیب تن فرما کر نماز پڑھائی جس میں نقش ونگار تھا، نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اس کپڑے کے نقش ونگار نے مجھے اپنے میں مشغول کرلیا؛ لہٰذا یہ کپڑا ابوجہم کو دے دو۔ (مرتّب)

وقد صلّى رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم في خميصة لها علم فلمّا سلّم قال: شغلني النظر إلىٰ هٰذه اذهبوا بها إلىٰ أبي جهم. (ذكره أبو طالب المكي في قوت القلوب في الجزء الثاني: ص/٧٥٦. أورده الإمام غزالي في الأربعين في أصول الدين: ص/٣٦١)

لباس میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زہد

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قمیص میں ۱۲/ پیوند لگے گئے تھے، جس میں بعض چمڑے کے تھے۔

(تبلیغ دین: ص/۱۷۷، ترجمہ از: الاربعین فی اصول الدین: ص/۳۶۱)

لباس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زہد

چناں چہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ابنِ عساکر کے حوالہ سے ذکر کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں تین درہم کے عوض ایک کپڑا خریدا اور اس کی دونوں کلائیوں کو کہنیوں تک کاٹ دیا (اس کو زیب تن فرمانے کے بعد) اللہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس نے مجھ کو اتنا خوبصورت لباس پہنایا۔ (الاربعین فی اصول الدین: ص/۳۶۲ بحوالہ: تاریخ دمشق لابن عساکر: ۴۲/۴۸۳) (مرتّب)

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں: مقتدیٰ پر ضروری ہے کہ ادنیٰ حیثیت کے لوگوں کا سا لباس پہنے؛ تا کہ امراء اور اہلِ مال اُس کا اقتدا کریں اور فقراء و نادار اپنے کو بنظرِ حقارت نہ دیکھیں۔

(تبلیغ دین: ص/۱۷۷، ترجمہ: الاربعین فی اصول الدین: ص/۳۶۲)

انگوٹھی پہننے میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا زہد

حضرت ابوطالب مکی رحمہ اللہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''قوت القلوب'' میں فرماتے ہیں کہ: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ انگوٹھی پہنی اور جب خطبہ دینے کے لیے منبر پر تشریف فرما ہوئے تو اُس انگوٹھی پر (دفعتاً) نظر پڑ گئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس انگوٹھی کو نکال کر پھینک دیا، صحابہؓ کے دریافت فرمانے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِس انگوٹھی کی جانب دیکھنے کی وجہ سے میں تم سے غافل ہو گیا تھا کہ ایک نظر تو انگوٹھی کی جانب تھی اور کبھی تمہاری کی طرف دیکھتا تھا، اب مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ اس انگوٹھی کو کوئی اٹھا کر لے جائے۔ (ذکرہ ابوطالب المکی فی قوت القلوب: ص/۷۵۸، الجزء الثانی۔ مرتّب)

مذکورہ تمام احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود سردارِ کونین، امام الرسل، رحمۃ للعالمین ہونے کے کس طرح زہد کے ساتھ زندگی گزاری کہ وصال کے وقت تک صرف دو ہی کپڑوں پر قناعت فرمائی۔

اور جب کبھی اچھا لباس زیب تن فرمایا تو اللہ کی ناراضگی کے ڈر سے اُس کو فوراً نکال دیا؛ نیز جب کسی لباس کی خوبصورتی پر حالتِ نماز میں نظر جم گئی تو اُس کو مانعِ نماز تصور کرتے ہوئے دوسرے صحابی کو مرحمت فرما دیا اور جب دَورانِ خطبہ انگوٹھی پر نظر پڑی تو اُس کو بھی نکال کر پھینک دیا۔ اِسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی زہد و قناعت کو اِس قدر اپنایا کہ اپنے زمانۂ خلافت میں ایسا لباس پہنا کہ جس میں بارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہوئے زہد کو اپنایا کہ باوجود خلیفۂ

وقت ہونے کے صرف تین درہم کا کپڑا خریدا اور اُس کپڑے میں جس حصہ میں زیادہ نقش ونگار اور بیل بوٹے تھے اُس کو کاٹ دیا؛ تاکہ زہد کے خلاف نہ ہو جائے۔ (مرتّب)

بریں بنا ابوطالب مکی رحمہ اللہ نے (قوت القلوب) میں ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبیوں میں سے ایک نبی کی طرف وحی بھیجی: اے نبی جی! آپ میرے دوستوں (ایمانوں والوں) سے کہہ دو کہ وہ میرے دشمنوں کا لباس نہ پہنیں اور نہ ہی میرے دشمنوں کے اڈوں پر جائیں، اگر میرے نیک بندے میرے دشمنوں کا سا لباس پہنیں گے اور میرے نافرمان بندوں کی طرح غیر مناسب جگہوں پر جائیں گے تو وہ بھی میرے دشمن بن جائیں گے۔ (ترجمہ از: قوت القلوب لابی طالب المکی: ص/۴۸۷) (مرتّب)

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اللہ کے محبوب بندوں کا لباس زیب تن کریں اور اپنی اولاد کو بھی اسی کا عادی بنائیں کہ اللہ پاک ہم سب کو اپنے محبوب بندوں میں شامل فرمائیں۔

مکانوں کے متعلق زہد کے درجے

مسکن میں ادنیٰ درجہ کا مسکن جو زہد کا اعلیٰ درجہ ہے یہ ہے کہ مسافر خانہ یا مسجد کے حجرے میں زندگی گزارے اور اعلیٰ درجہ کا مسکن یہ ہے کہ سکونت کے لیے کوئی خاص وجہ تجویز کرے، یعنی بقدرِ ضرورت ایک حجرہ خواہ خرید لے یا کرایے پر لے لے بشرطیکہ حاجت سے زیادہ اُس میں وسعت نہ ہو اور نہ اونچی دیواریں ہوں نہ قلعی چونا ہو نہ کہگل یا استرکاری مکانات میں رہائش تو زہد سے خارج ہے۔

(تبلیغ دین: ص/۱۷۸، ترجمہ از: الاربعین فی اصول الدین: ص/۳۶۲)

مکان میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا زہد

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے ابن ابی الدنیا کے حوالہ سے ذکر فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس طرح زندگی گزاری ہے کہ آپ نے اپنی وفات تک (عمارت بنانے کے لیے) کبھی کسی اینٹ پر اینٹ نہیں رکھی اور نہ ہی کسی پتھر پر پتھر رکھا ہے (یعنی اپنی ذات کے لیے بغیر کسی عمارت کے بنائے دنیا سے تشریف لے گئے)۔ (الاربعین فی اصول الدین: ص/۲۶۳۔ بحوالہ: قصر العمل لابن ابی الدنیا: ص/۳۳۹) (مرتّب)

عبارت ملاحظہ فرمائیں: "مات رسول الله صلّى الله عليه وسلم ولم يضع لبنة علىٰ لبنة ولاقصبة علىٰ قصبة". (الأربعين في أصول الدين: ص/۲۶۳، وروى نحو ابن أبي الدنيا في قصر العمل: ۳۳۹)

مکان میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا زہد

چناں چہ اسی روایت کی تائید میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا عمل بھی ’’الاربعین فی اصول الدین‘‘ کے حاشیہ میں مذکور ہے کہ خلیفۂ خامس حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بھی باوجود خلیفہ ہونے کے اپنی ذات کے لیے کوئی مکان نہیں بنایا اور آپ فرمایا کرتے تھے: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت (پر عمل کرنا) دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی ذات کی خاطر کبھی کوئی عمارت اور مکان نہیں بنایا۔ (حاشیہ الاربعین فی اصول الدین: ص/۳۶۳) (مرتّب)

مکان میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا زہد

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہم مکان میں چونا استرکاری (مرمّت کرنے کا) کام کر رہے تھے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: ’’میاں وقت تو اس سے پہلے برابر ہو جانے والا ہے‘‘۔ (تبلیغ دین: ص/۱۷۸، ترجمہ از: الاربعین فی اصول الدین)

عبارتِ حدیث: عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما: مر بنا رسول الله صلّى الله عليه وسلم ونحن نعالج خصنا، فقال: "إن الأمر أعجل من ذٰلك". (الاربعین فی اصول الدین: ص/۳۶۳)

مطلب یہ تھا کہ انسان کو ناپائیدار زندگی گزارنے کے لیے استحکام و پائیداری کی کیا ضرورت ہے؟ موت آجائے گی اور یہیں دھرا رہ جائے گا۔ (تبلیغ دین: ص/۱۷۸)

مکان میں حضرت نوح علیہ السلام کا زہد

حضرت نوح علیہ السلام نے رہائش کے لیے پھونس کا ایک جھونپڑا بنا رکھا تھا، اسی میں ایام گزاری فرماتے تھے، لوگوں نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ! ایک گھر بنا لیجیے؛ تاکہ آرام ملے، آپ علیہ السلام نے فرمایا: میاں! مرنے والے کے لیے تو یہ پھونس کا گھر بھی بہت ہے۔ (تبلیغ دین: ص/۱۷۸ ترجمہ از: الاربعین فی اصول الدین: ص/۳۶۳)

(رواه ابن أبي الدنيا في قصر العمل: ص/۳۵۳. والبيهقي في شعب الإيمان: ۱۰۲۶۶) (مرتّب)

عمارت بنانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زہد

ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے حضرت سے فرمایا کہ: حضرت! اگر آپ ہم کو کوئی

عمارت (گھر) بنانے کا حکم دیں تو کوئی عمارت بنادیں گے؛ تاکہ ہم اس عمارت کے اندر اللہ کی (اچھی طرح) عبادت کرسکیں، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: جاؤ پانی پر کوئی عمارت بنادو، تو حواریین نے کہا: پانی پر کوئی عمارت کہاں باقی رہ سکتی ہے، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: پھر تم دنیا کی محبت کے ساتھ اپنی عبادت کو کیسے باقی رکھ سکوگے (تمہاری عبادت ضائع ہوجائے گی)۔ (أورده أبو طالب المكيؒ في قوت القلوب: ص/ ٧٤٤ الجزء الثاني شرح مقامات اليقين وأحوال الموقنين) (مرتّب)

حدیث شریف میں آیا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: ضرورت سے زیادہ جو شخص مکان بنائے گا قیامت کے دن اُس کو تکلیف دی جائے گی کہ وہ اُس مکان کو (اپنے) سر پر اٹھائے۔

(تبلیغ دین: ص/۱۷۸، ترجمہ از: الاربعین فی اصول الدین: ص/۳۶۳۔ ورواه ابن أبي الدنيا في قصر العمل: ٢٤٦۔ والبيهقي في شعب الإيمان: ١٠٢٢٤)

دوسری روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر عمارت بنانے والے کے لیے وبال ہے (نقصان دہ ہے) قیامت کے دن سوائے اس عمارت کے جو صاحبِ عمارت کو سردی اور گرمی سے بچا سکے (یعنی ضرورت کی حد تک ہو تو جائز ہے، اگر ضرورت سے زیادہ ہے تو پھر وہ قیامت کے دن نقصان کا سبب ہوگی)۔

(ترجمہ از: الاربعین فی اصول الدین: ص/۶۳۶) (مرتّب)

دونوں روایتوں کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وقال صلّى الله عليه وسلم: من بنى فوق ممايكفيه كلّف أن يحمله يوم القيامة.

(ذكره الإمام الغزالي رحمه الله في الأربعين في أصول الدين: ص/٣٦٣)

وقال صلّى الله عليه وسلم: كل بناء وبال على صاحبه يوم القيامة إلا ما أكنّ من حرّ وبرد. (ذكره الإمام غزالي رحمه الله في الأربعين في أصول الدين: ص/٦٣٦، وذكره أبوطالب المكي رحمه الله في قوت القلوب)

مذکورہ پوری تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کس طرح عمارت بنانے سے گریز کرتے تھے، اور معمولی سی معمولی رہائش گاہ پر قناعت کے ساتھ زندگی گزارتے تھے، اگر کوئی اچھی عمارت کا مطالبہ بھی کرتا تو اُس کو منع فرمادیتے کہ جو شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور اِس دنیا سے رخصت ہونے والا ہے وہ عمارت بنا کے کیا کرے گا، وہ تو قبر میں چلا جائے گا اور عمارت وہیں کی وہیں رہ جائے گی؛ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ جہاں تک ہوسکے مکان بنانے میں بھی زہد وقناعت کو ملحوظ رکھیں، جتنی ضرورت ہے اُسی پر اکتفا کریں۔ (مرتّب)

اقتباس از بیان: داعئ کبیر و مشفقنا و مربینا رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت اقدس مولانا قاسم قریشی قدس سرہٗ و برّد مضجعہ بار ہا پرانوں کے مجمع میں فرمایا کرتے تھے: ''اگر تم گھر بناتے وقت ایک کمرہ کم کرلوگے تو ایک بیرون کا سفر آسانی سے ہوجائے گا'' (یعنی جو کمرہ ضرورت سے زیادہ عام طور پر لوگ بناتے ہیں اگر اُس کی رقم اللہ کے راستہ میں لگادیں تو بیرون کا سفر بآسانی ہوسکتا ہے اور وہ ساری رقم اللہ کے خزانہ میں جمع ہوجاتی ہے اور وہ مال وبالِ جان بننے کے بجائے ذخیرۂ آخرت بن جاتا ہے''۔ اللّٰھم وافقنا بہ (مرتّب)

اثاث البیت کے متعلق زہد کے درجے

اثاث البیت (گھریلو سامان) میں کئی درجے ہیں، ادنیٰ درجہ کا سامان جس کو زہد کا اعلیٰ درجہ ہونا چاہیے وہ ہے جو حضرت عیسیٰ روح اللہ علیٰ نبیّنا علیہ الصلاۃ والسلام کا حال تھا۔

اثاث البیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زہد

کہ ایک کنگھا اور ایک آب خورہ پاس تھا، یہی اثاث البیت اور یہی سفر وحضر کا سامان۔ ایک بار چلے جارہے تھے کہ ایک شخص نظر پڑا جو انگلیوں سے کنگھے کا کام لیرہا تھا اور بال درست کررہا تھا، یہ دیکھ کر حضرت روح اللہ علیہ السلام نے کنگھا پھینک دیا اور فرمایا: یہ تو ضرورت سے زائد چیز نکلی، اب آب خورہ رہ گیا، اُس کو لے کر آگے چلے تو ایک شخص کو دیکھا کہ ہاتھ کی چلو سے پانی پی رہا ہے، پس آب خورہ بھی پھینک دیا اور فرمایا کہ خدا کے عطا کیے ہوئے بدن ہی کے عضو سے جو کام نکل آئے اُس کے لیے دوسرا انتظام کرنا امر فضول ہے۔

(تبلیغ دین: ص/۱۷۸، ترجمہ از: الاربعین فی اصول الدین: ص/۳۶۴) (مرتّب)

اثاث البیت میں اوسط درجہ

اوسط درجہ یہ ہے کہ معمولی اور خسیس برتن رکھے اور وہ بھی ہر قسم کی ضرورت کے لیے ایک عدد سے زیادہ نہ ہو اور اس میں بھی یہ لحاظ رہے کہ جہاں تک ہوسکے کئی ضرورتیں ایک ہی برتن سے رفع ہوجائیں۔

(تبلیغ دین: ص/۱۴۹، ترجمہ از: الاربعین فی اصول الدین: ص/۳۶۴)

نیز شیخ ابوطالب المکی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''قوت القلوب'' میں لکھا ہے کہ: زہد کے (لوازمات) میں

سے یہ بات بھی ہے کہ ایک ہی چیز کئی ضرورتوں میں استعمال ہوجائے اور یہی چیز (عادت) سلفِ صالحین کا شعار ہے، اثاث البیت میں کہ وہ ایک ہی چیز میں کئی ضرورتیں پوری فرمالیا کرتے تھے، برخلاف دنیاداروں کے، کہ وہ ایک چیز کو استعمال میں لانے کے لیے کئی چیزیں استعمال کرتے ہیں؛ کیوں کہ (اُن کے اندر) حرص کی صفت ہوتی ہے کہ چاہے جتنی چیزیں خریدیں وہ کم ہی معلوم ہوتی ہیں؛ اِس لیے وہ چیزوں پر چیزیں خریدتے رہتے ہیں۔ (ترجمہ از: قوت القلوب لابی طالب المکی رحمہ اللہ: ج۲/ص/۷۴۷) (مرتّب)

اثاث البیت میں حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کا زہد

چناں چہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شہرِحمص کے حاکم حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: کیوں صاحب! تمہارے گھر میں دنیا کی ضرورتوں کے لیے کیا کیا اسباب ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ: حضرت! (۱) ایک تو لاٹھی ہے کہ اُس سے سہارے کا کام لے لیتا ہوں اور اُسی سے موذی جانور سانپ بچھو وغیرہ کو ماردیتا ہوں اور (۲) ایک تھیلا ہے جس میں کھانا رکھ لیتا ہوں (۳) اور پیالہ ہے جس میں کھانا رکھ کر کھالیتا ہوں اور اُسی میں بقدرِ ضرورت سر اور کپڑا دھولیتا ہوں (۴) اور ایک برتن ہے جس میں اتنا پانی آجاتا ہے جو پینے اور وضو کرنے کے لیے کافی ہوجاتا ہے، پس چار چیزیں میرے پاس موجود ہیں اور بقیہ ساری ضرورتیں اُلٹ پھیر کر اسی میں کافی (پوری) ہوجاتی ہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ آپ پر رحم فرمائے، آپ نے صحیح فرمایا۔ (تبلیغ دین: ص/۱۷۹، ترجمہ از: الاربعین فی اصول الدین: ص/۳۶۴) (وأورده أبو طالب المكي رحمه الله في قوت القلوب، الجزء الثاني: ص/ ۷۵۱)

گھریلو سامان میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا زہد

عن عائشة رضي الله عنها قالت إنما كان فراش رسول الله صلّى الله عليه وسلم الذي ينام عليه من أدم حشوه ليف. (رواه الترمذي في الشمائل: ص/ ۲۲ مكتبه تهانوي)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر (کا حال) یہ تھا: ایک تو چرمی تکیہ تھا، جس میں لیفہ گھاس بھری ہوئی تھی اور ایک کمبل تھا۔ (تبلیغ دین: ص/۱۷۹، ترجمہ از: الاربعین فی اصول الدین: ص/۳۶۴)

غرض یہ احوال سب کے سب زاہدوں کے احوال تھے، جو نمونے کے طور پر حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے۔

(لائحۂ عمل) نعمتوں پر افسوس کرو اور زاہدوں کی صحبت اختیار کرو

آخر میں حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: اوپر جو احوال لکھے گئے ہیں وہ خاصانِ خدا کے ہیں، تم کو چاہیے کہ تم اگر اِس مرتبۂ کمال کے حاصل کرنے سے خدانخواستہ محروم رہے تو کیا اِس سے بھی گئے گزرے ہو کہ اِس محرومیت پر افسوس ہی کرو؛ تاکہ زہد کی قلب میں محبت اور اِس کے حصول کی خواہش تو باقی رہے؛ نیز اس کا ہمیشہ خیال رکھو کہ لذت پسند اور متنعّم افراد کے قرب کی بنسبت اللہ کے زاہد بندوں کے پاس اٹھنا بیٹھنا پسند کرو اور جہاں تک بھی ہو سکے زاہدوں کے مثل بننے اور بلند درجہ حاصل کرنے کی کوشش میں لگے رہو

(تبلیغ دین: ص/۱۷۹، ترجمہ از: الاربعین فی اصول الدین: ص/۳۶۵، مترجم: حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ)

نحبّ الصالحين ولسنا منهم

لعلّ اللّٰه يرزقنا صالحين

❑❖❑

اصلاحِ معاشرہ

آؤ تعلق مع اللہ سیکھیں!

مدارسِ دینیہ کے معلّمین اور طلبہ سے کچھ درخواستیں

ازقلم: الحاج محمد یونس میمن صاحب، مقیم حال جدہ سعودی عرب

بعض احباب کی طلب پر یہ مختصر سا مضمون پیشِ خدمت ہے، اِس امید اور دلی تمناؤں کے ساتھ کہ اللہ اسے منظور اور مقبول فرمالے اور اللہ احسان وکرم فرمادے اور یہ رسالہ خاص طور پر دینی مدارس اور عام طور پر عصری مدارس کا نصاب بن جائے۔ وما ذٰلک علی اللّٰہ بعزیز.

مندرجہ ذیل اعمال کی پابندی:

۱-اسماءالحسنٰی یاد کرنا اور روزانہ ایک مرتبہ پڑھنا۔

۲-مناجات مقبول مکمل ترجمہ کے ساتھ یاد کرنا اور روزانہ ایک منزل پڑھنا۔

۳-دو رکعت نفل روزانہ لمبے رکوع اور لمبے سجدہ کے ساتھ پڑھنا، رکوع اور سجدہ کی تسبیح کم از کم پچاس مرتبہ ہو۔

۴-روزانہ تہجد کی نماز کی پابندی۔

۵-پانچوں نماز تکبیر اولیٰ کے ساتھ ادا کرنا۔

۶-نفل نمازوں کا اہتمام (اشراق، چاشت، اوّابین اور تہجد)۔

۷-اللہ کے ذکر سے زبان کو تر رکھنا۔

۸-قرآنِ کریم کی تلاوت کی پابندی کرنا۔

۹-مسنون دعاؤں کا اہتمام کرنا۔

۱۰-صلہ رحمی کرنا۔

مندرجہ بالا اُمور میں سے پہلے چار ان شاءاللہ تربیت کے لیے کافی ہوں گے۔

اللہ کے قرب کا بالکل آسان راستہ:

۱-رونا، آنسو بہانا یہ ایسا عجیب قطرہ ہے جو گرتا تو باہر ہے؛ لیکن اندر کو صاف وشفاف کر دیتا ہے، پھر اس

دل میں اللہ کو بسالینا آسان ہوجاتا ہے۔

۲-آنسو بہانے کا بہترین وقت رات کی تاریکی ہے جس وقت غنی فقیروں کو روزانہ بلا ناغہ پکارتا ہے:

کوئی مانگنے والا، ہے کوئی سوال کرنے والا، ہے کوئی مغفرت چاہنے والا، اُس وقت ہمارا عام طور پر عملی جواب یہ ہوتا ہے: ہم مانگنے والے نہیں اور نہ ہی مغفرت کے چاہنے والے ہیں؛ بلکہ ہم تو سونے والے ہیں۔ ذرا سوچو، غور کرو! فقیروں کی طرف سے یہ جواب کتنا نامناسب ہے، اُس وقت ضرور بالضرور اٹھیں، اللہ کے سامنے عاجزی کریں، روئیں، آنسو بہاتے چلے جائیں۔

﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ﴾ (القرآن)

رونے اور آنسو بہانے کے چار اسباب:

۱-اپنے گناہوں کو یاد کر کے روئیں۔

۲-اللہ تعالیٰ کی محبت کے تصور سے روئیں۔ کیا لطف ہوگا جب اللہ کا دیدار نصیب ہوگا، کیا میں ان لوگوں میں سے ہوں گا اے میرے اللہ!

۳-اللہ کے خوف سے خوب روئیں، تمام صحابہؓ اِس بات کا خوف رکھتے تھے کیسے اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے؟ کیسے حساب دے سکیں گے؟ اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَّسِيْرًا.

۴-حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی موجودہ حالت پر غور کریں اور رونے کا دریا بہادیں، اس حالت پر یہ امتِ مرحومہ اِس سے پہلے کبھی نہیں پہنچی، یقیناً یہ تو ناقابلِ برداشت حالت ہے، یہ حال ہمیں بے چین کردے، بے تاب کردے۔

رونے والی ہستیاں:

سب سے پہلے نمبر پر حضرت آدم علیہ السلام کا خوب رونا ہے اور اِسی طرح حضرت حوا علیہا السلام کا رونا ہے، اِس کے بعد تمام انبیاء علیہم السلام کا رونا اور بے تحاشا رونا ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے کی تو کوئی حد ہی نہ تھی، بعض مرتبہ تو ساری رات ہی رونے میں گزر جاتی اور آنسو سینے مبارک تک بہتے چلے جاتے، اِس کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے بڑا مرتبہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے، بہت ہی کثرت سے رویا کرتے تھے، عمر فاروق رضی اللہ عنہ روتے روتے بعض اوقات بیمار ہوجاتے، عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہوجاتی، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے اذان کی آواز سے جسم میں کپکپی آجاتی تھی۔

اولیاءِ کرام کے بھی رونے کے اَن گنت قصے ہیں:

حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ کی آنکھیں دُکھنے لگیں، طبیب نے کہا رویا نہ کرو، فرمایا: اُس آنکھ کا کیا فائدہ جو نہ روئے، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: اللہ کے نزدیک دو قطروں سے زیادہ کوئی قطرہ پسند نہیں، اُن میں ایک آنسو کا قطرہ جو اللہ کے خوف سے نکلا ہو۔ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ: تنہائی میں اللہ کو یاد کر کے رونے والوں کو اللہ اپنا سایہ عطا فرمائیں گے۔

رونا اور ماں کی شفقت کا تصور:

ماں بچوں کا رونا کبھی برداشت نہیں کرسکتی؛ بلکہ چاہے بچہ بڑی عمر کا ہی کیوں نہ ہو، ماں اپنی شفقت بھری آغوش میں بچہ کو ضرور لے کر تسلیاں دیتی ہی رہے گی، اللہ تعالیٰ کے متعلق آپ کیا گمان کر سکتے ہیں، کیا وہ اپنے بندوں کو سسکتا چھوڑ دے گا؟ ہر گز نہیں! یہ بالکل ناممکن ہے؛ کیوں کہ اللہ بندوں سے جو محبت فرماتے ہیں ماں کی محبت اُس کا مقابلہ کبھی نہیں کرسکتی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے پاس سو رحمتیں ہیں، اُس نے اُن میں سے ایک رحمت جن، اِنس، حیوانات اور حشرات الارض کے درمیان نازل کی ہے، جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر شفقت و رحم کرتے ہیں، اور اُسی سے وحشی جانور اپنے بچوں سے محبت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ننانوے رحمتیں (اپنے پاس) محفوظ رکھی ہیں، جن کے سبب قیامت کے دن وہ اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔ اِس حدیث کو امام مسلم، ترمذی اور ابنِ ماجہ نے روایت کیا ہے۔

روحانی ترقی:

جتنی روح میں تقویت ہوگی اعمال میں تاثیر قبولیت نصیب ہوگی، رونا اور دعاء میں الحاح کی زیادتی اللہ سے قرب کا ایک مناسب ذریعہ ہے، جس طرح دنیا کی ضروریات کو اللہ سے مانگتے رہتے ہیں، اِسی طرح یہ نعمتِ عظمیٰ بھی عاجزی سے مانگتے رہنا چاہیے۔

دوسرا سبب: روحانی تقویت کے لیے اللہ والوں کی صحبت جو اللہ سے ملا دیتی ہے؛ لہٰذا جتنی زیادہ وقت میں گنجائش ہو ایسے مواقع تلاش کریں، ان حضرات کی صحبت، خدمت اور توجہات روحانیت کی بلندیوں پر لے جائیں گی۔

تیسرا سبب: روحانی ترقی کے لیے پُر کیف سجدے، حدیث کا مفہوم ہے کہ بندہ سجدہ کی حالت میں اللہ سے قریب ہوتا ہے، دوسری حدیث کا مفہوم ہے کہ سجدہ کی حالت میں اللہ بندہ کو محبوب رکھتے ہیں۔ اور اللہ کا ارشاد ہے کہ: ''اور سجدہ کرو اور قریب آجاؤ''۔

اوقات کی تقسیم:

حصولِ علم کے زمانے میں اوقات کی تقسیم اِس انداز سے ہو کہ وقت قیمتی بنتا رہے، وقت کو بالکل ضائع نہ ہونے دیں؛ کیوں کہ بیش بہا سرمایہ وقت ہی ہے۔

۱- پڑھنا۔	۲- مطالعہ
۳- عبادات	۴- تلاوت، ذکرواذکار، دعائیں
۵- مکمل پُرسکون نینداورآرام	۶- مناسب خوراک، کھانا پینا
۷- کچھ ورزش، چہل قدمی	۸- ہلکی پھلکی مذاق کبھی کبھار
۹- لایعنی سے مکمل پرہیز	۱۰- اللہ والوں کی صحبت
۱۱- دعوت وتبلیغ	۱۲- تمام اختبارات میں درجہ ممتاز ہو

گناہوں سے احتراز:

علم نور ہے جو گناہ گاروں کو نہیں دیا جاتا، یہ علمِ نافع اللہ کی عطاء ہے؛ لہٰذا گناہوں سے مکمل پرہیز ہو، صغائر سے بچیں اور کبائر کا تو کبھی تصور بھی نہ ہو۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ نے اپنے حافظہ کی کمزوری کی شکایت اپنے استاد امام وکیع رحمہ اللہ سے کی، تو انھوں نے فرمایا: خود کو گناہ ومعصیت سے دُور رکھو؛ اِس لیے کہ علم اللہ تعالیٰ کا نور ہے اور نورِ الٰہی کسی بدعمل اور نافرمان کو نہیں دیا جاتا۔ فرماتے ہیں:

شَكَوْتُ إِلٰى وَكِيْعٍ سُوْءَ حِفْظِيْ
فَأَوْصَانِيْ إِلٰى تَرْكِ الْمَعَاصِيْ
فَإِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنْ إِلٰهٖ
وَنُوْرُ اللّٰهِ لَايُعْطٰى لِلْعَاصِيْ

اساتذہ کا ادب واحترام:

وقال عبد اللّٰه بن المبارك (ت: ١٨١هـ): طلب الأدب ثلاثين سنة، وطلبت العلم عشرين سنة، وكانوا يطلبون الأدب قبل العلم. (١٨) وقال أيضًا: كاد الأدب يكون ثلثي العلم. وعن أبي زكريا يحيٰى بن محمد العنبري (ت: ٣٤٤هـ) قال: علم بلاأدب كنار بلاحطب، وأدب بلاعلم كجسم بلاروح.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تیس سال تک میں نے ادب حاصل کیا اور بیس سال تک علم حاصل کیا اور فرمایا کہ ممکن ہے ادب علم کا دوتہائی سرمایہ ہو۔ اور حضرت ابوبکر یحییٰ بن محمد العنبری رحمہ اللہ کا قول ہے: بغیر ادب کی مثال اُس آگ کی ہے جس میں ایندھن نہ ہو اور ادب کے بغیر علم کی مثال جسم بغیر روح سے دی جاسکتی ہے۔

علم کی حفاظت:

حصولِ علم کے بعد مطالعہ کا اہتمام ضرور ہو جو علم کے محفوظ رہنے کا بنیادی سبب ہے، کچھ نہ کچھ وقت اپنی مصروفیات سے فارغ کریں۔

عالم کی خاص صفت:

دستار بندی کی تقریب کے بعد عالمیت کی سند حاصل ہوجاتی ہے جو کہ بہت ہی بڑا اعزاز ہے، اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ادا کیا جائے، کم از کم دوگانہ شکر کی نیت سے پڑھ لی جائیں۔

اب وقت ہے اپنا جائزہ لینے کا کہ اللہ نے بہت ہی فضل فرمایا اور سال کے لمبے عرصہ تک قال اللہ وقال رسول اللہ کے سمندر میں غوطے لگانے کی سعادت سے نوازا۔

"اَللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ" یہ وہ صفت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ "اللہ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں"

اب ذرا سوچیں، جائزہ لیں کیا ہمیں اتنا عرصہ تگ ودو کرنے کے نتیجہ میں یہ دولت نصیب ہوئی، بس اگر اِس صفت سے آپ متصف ہوگئے تو ساری محنت وصول ہوگئی؟ گویا آپ کو علمِ نافع مل گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑے عالم بھی تھے اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے بھی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أما والله! إني لأخشاكم لله وأتقاكم له". (رواہ البخاری: ج ۲/ص ۷۰۷، مسلم: ج ۱/ص ۴۴۹)

(خبردار! اللہ کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں۔)

علمائے کرام انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں:

کثیر بن قیس کہتے ہیں کہ میں ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے ساتھ دمشق کی مسجد میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں اُن کے پاس ایک شخص آیا اور اُن سے کہنے لگا: اے ابوالدرداء! میں آپ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر سے اُس حدیث کے لیے آیا ہوں جس کے متعلق مجھے یہ خبر ملی ہے کہ آپ اُسے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

روایت کرتے ہیں، میں آپ کے پاس کسی اور غرض سے نہیں آیا ہوں، اِس پر ابوالدرداء نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''جو شخص طلبِ علم کے لیے راستہ طے کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اُسے جنت کی راہ چلاتا ہے اور فرشتے طالبِ علم کی بخشش کی دعا کرتے ہیں، یہاں تک کہ مچھلیاں پانی میں دعائیں کرتی ہیں، اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہی ہے جیسے چودھویں رات کی تمام ستاروں پر، اور علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور نبیوں نے اپنا وارث درہم ودینار کا نہیں بنایا؛ بلکہ علم کا وارث بنایا، تو جس نے علم حاصل کیا اُس نے ایک وافر حصہ لیا''۔ (سنن ابی داوٗد)

تواضع:

حصولِ علم کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں نام کے آگے مولانا، مفتی، شیخ الحدیث، حضرت کے القاب مل جاتے ہیں، اِس پر دل کی گہرائی سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں، تکبر اور عجب سے اللہ کی پناہ مانگتے رہیں۔ سیّدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے ایک درجہ تواضع اختیار کی، اللہ تعالیٰ اُس کو بلحاظ درجے کے اتنا بلند کرے گا کہ اُس کو علیّین میں لے جائے گا اور جس نے اللہ تعالیٰ پر ایک درجہ تکبر کیا، اللہ تعالیٰ اُس کو درجے کے لحاظ سے اتنا پست کردے گا کہ اُس کو سب سے نیچا اور گھٹیا ترین بنادے گا۔ (مسند احمد)

تواضع کا عجیب قصہ:

مسجد نبوی میں روضہ (ریاض الجنہ) میں بیٹھا تھا، تو ایک اللہ والے سے ملاقات ہوئی، میں نے عرض کیا حضرت! آپ دعاء کریں میں آمین کہوں گا، حضرت نے مختصر اور جامع دعاء کی، میں آمین کہتا رہا، پھر اپنا تعارف کروایا اور اُن سے بھی معلوم کیا تو عجیب انداز تھا تواضع سے بھرپور، فرمانے لگے: بھائی! میں تو ایک مدرسہ میں چالیس سال سے بخاری شریف پڑھاتا ہوں، اللہ کا شکر ہے بچے بچیاں، پوتے پوتیاں سب مدرسوں سے منسلک ہیں، پھر عجیب انداز سے گویا ہوئے:

بندہ گندہ ربّ کریم۔ بندہ گندہ ربّ کریم۔ بندہ گندہ ربّ کریم۔

اور میں تو بہت ہی گندہ اور رب تو بہت ہی کریم۔ اور میں تو بہت ہی گندہ اور رب تو بہت ہی کریم۔

اِس اعلیٰ درجہ کی تواضع کے بعد میں تو مبہوت سا ہوگیا۔ بعد میں اُن بزرگ سے ملاقات نہ ہوسکی، گویا مجھے تواضع سکھا کر چلے گئے۔

عملی میدان اور حالات:

علماءِ کرام جب عملی زندگی میں قدم رکھتے ہیں تو:

-درس وتدریس

-امامت

-تجارت

اِن شعبوں میں وقت استعمال ہوتا ہے۔عموماً کچھ احوال سے بھی گزرنا پڑ جاتا ہے اور ایسے مواقع میں اللہ کی طرف متوجہ ہونا نہایت ہی ضروری ہوتا ہے، کبھی بھی مخلوق کی طرف نظر نہ جائے۔

﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ (اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے سو وہی اُس کو کافی ہے۔)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص بھوک میں مبتلا ہوا یا کسی چیز کا ضرورت مند ہوا اور اُس نے اُسے لوگوں سے چھپائے رکھا تو اللہ عز وجل پر حق ہے کہ وہ اُسے سال بھر کے لیے رزقِ حلال عطا فرمائے۔(رواه البيهقي في شعب الإيمان)

اِس کے علاوہ دنیا کی بے ثباتی پر نظر رہے، جس سے حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔

﴿يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ (ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم)

﴿عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا﴾ (ایک شام یا اس کی صبح تک)۔

حضورِ اکرم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی زبوں حالی:

حصولِ علم کے بعد چوں کہ علماءِ کرام کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں اور وہ گویا انبیاء کے وارث بن جاتے ہیں؛ لہٰذا پوری امت کی اصلاح کی فکر اوڑھ لینا ہوگا اور اللہ کی مدد شاملِ حال ہوگی۔

مندرجہ ذیل آیات اور احادیث پر نظر رکھیں اور ساتھ ہی امت کی زبوں حالی کو سوچیں تو ممکن ہے کہ آنسو نہ رکیں اور غم سوار ہو جائے جو کہ انبیاء کے دلوں کا درد تھا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ''

ترجمہ: سب سے بہترین لوگ وہ ہیں جو میرے زمانے کے ہیں، پھر وہ جو اُن کے قریب ہوں، پھر وہ جو اُن کے قریب ہوں۔

سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بہتر لوگ میرے قرن کے ہیں، پھر وہ جو اُن سے نزدیک ہیں، پھر وہ جو اُن سے نزدیک ہیں۔'' میں نہیں جانتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری میں فرمایا یا چوتھی بار میں'' پھر وہ لوگ نالائق پیدا ہوں گے جن کی گواہی قسم سے پہلے اور قسم گواہی سے پہلے۔'' (صحیح مسلم)

﴿حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۝﴾

(وہ حریص (فکرمند) ہے مؤمنوں پر، نہایت شفقت کرنے والا مہربان ہے)

﴿لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ۝﴾

(اے پیغمبر!) شاید تم اِس غم میں اپنی جان ہلاک کیے جا رہے ہو کہ یہ لوگ ایمان (کیوں) نہیں لاتے۔

﴿فَلَاتَذْهَبْ نَفْسُکَ عَلَیْهِمْ حَسَرٰتٍ﴾

(لہٰذا آپ کا دل اُن پر حسرت زدہ نہ ہو)

خلاصہ:

اللہ کے فضل سے میری ملاقاتیں کافی مدارس کے ذمہ داروں سے ہوئیں، عام طور پر یہ حضرات درس وتدریس میں اخلاص سے لگتے ہیں اور ان کی کاوشوں سے مدارس میں وقتاً فوقتاً کافی توسیع ہوتی رہتی ہے؛ مگر چوں کہ یہ حضرات پڑھائی کے زمانے کے بعد تدریس میں منہمک ہوجاتے ہیں، تو ان کے سامنے سارا ماحول روحانی اور نورانی ہی رہتا ہے، امت کن سنگین حالات سے گزر رہی ہے، دین سے کتنی دُوری ہے، اِس کا عملی مظاہرہ نہیں ہو پاتا، اللہ کے فضل وکرم سے میرا ۲۶؍ملکوں کا سفر ہوا ہے، بس ہچکیوں سے روتے رہنے کو دل کرتا ہے، کوئی چیز بھی اچھی نہیں لگتی؛ کیوں کہ اپنی آنکھوں سے ایسے عرب مسلمان بھی دیکھے ہیں جو کلمہ پڑھنا نہیں جانتے، اِس کے علاوہ لاتعداد لوگ دین سے اتنے دُور اور معصیت میں اتنے مبتلا ہیں کہ فإلی اللہ المشتکی.

ایسے لاتعداد عربوں سے ملاقات کی ہے جو اسلام چھوڑ کر عیسائی بن چکے ہیں، اِس کے علاوہ اپنے ملکوں کے لوگوں سے مغربی ممالک میں ملاقاتیں ہوئیں جو اسلام چھوڑ کر نام کے عیسائی بن چکے ہیں، پوری دنیا کے مسلمانوں میں سے ۱۰؍فیصدی نمازی بمشکل ہوں گے۔ یااللہ أشکو إلیک ضعف قوتي

محترم اور مکرم علمائے کرام سے میری آخری گزارش یہ بھی ہے کہ:

اپنے خداداد نورِ علم کو لے کر بستیوں میں بھی پھیل جائیں اور اللہ کی وسیع رحمتوں سے عمومی ہدایت کے فیصلے کروائیں۔

ہلکا سا مراقبہ (پیارے اللہ سے پیاری باتیں):

دن بھر اسباق اور اعمال میں مشغول رہنے کے بعد اتنی ہمت تو نہیں ہوسکتی جیسا کہ اویس قرنی فرماتے تھے کہ آج کی رات رکوع کی اور آج کی رات سجدہ کی، البتہ اِس طرح نظام بنالیں کہ باوضو سوئیں اور ہفتہ تقسیم کرلیں: آج کی رات شکر کی اور بس لیٹے لیٹے ہی اللہ کے ساتھ محبت سے بھرپور انداز میں باتیں شروع کردیں، اسی میں نیند آجائے کہ اے اللہ! اتنی نعمتیں میں کیسے شمار کروں، کیسے شکر ادا کروں، اے اللہ! میں شکر ادا کرنے سے قاصر ہوں، اے اللہ! تُو مجھے اپنے شکر گزار بندوں میں شامل فرمالے ﴿وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ○﴾ میں سے کردے وغیرہ۔

ایسے ہی دوسری رات گناہوں کا مراقبہ اور استغفار کی رات: اللہ! میں تو پُرقصور ہوں، گناہوں کا شمار ہی نہیں، اے اللہ! کرم کی نگاہ ڈال دے، مجھ کمزور کا خیال کرلے، اے ماں باپ سے زیادہ چاہنے والے اللہ! اور اللہ سے استغفار کرتے ہوئے سوجائیں وہٰکذا۔

اِس طرح تیسرے دن کہیں: آج کی رات تو ذکر کی رات ہے، پھر سوئم کلمہ اور سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم وغیرہ پڑھتے رہیں، حتیٰ کہ پُرسکون نیند آجائے۔

چوتھی رات کہیں: آج کی رات درود شریف کی ہے، بس اِسی محبت کے تصور میں سوجائیں، اِس کے بعد کی رات کو امت کی زبوں حالی کے تصور میں کچھ آنسو بہاتے بہاتے سوجائیں۔

اس کے بعد کی پانچویں رات کو امت کی زبوں حالی کے تصور میں آنسو بہاتے بہاتے سوجائیں۔

اس کے بعد چھٹی رات: تو محاسبہ کی ہے، کہیں کچھ وقت لایعنی میں تو نہیں گزرا، کوئی بات اللہ کی ناراضگی کی تو نہیں ہوگئی۔

اب ساتویں رات اللہ سے مانگنے میں گزاریں گے؛ تاکہ ہر لمحہ اللہ کی رضا حاصل کرنے میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں گزرتا رہے، اِن سارے مراقبوں کے لیے کوئی وقت نکالنے کی ضرورت بالکل نہیں؛ بلکہ سونے کے مسنون اَوراد کے بعد جب تک نیند آجائے بس اللہ سے اِس طرح لَو لگائے رہیں، اُمید ہے اللہ ان مناجات کی بدولت مقبولیت عند اللہ نصیب فرمادے۔

﴿وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ بِبَعِیْدٍ○﴾

اللہ تعالیٰ اِن چند سطور کو محض اپنے فضل سے ہمارے علمائے کرام اور مشائخ الحدیث کی کاوشوں کو بارآور لانے کا ذریعہ بنائے اور ہمارے تمام مدارس سے دَورۂ حدیث کے بعد صرف علمائے کرام نہ نکلیں؛ بلکہ یہ حضرات اولیاءِ کرام بن کر نکلیں۔ آمین یا الٰہ العالمین

تحقیقات

حارث نام رکھنا، جائز ہے یا نہیں؟

ازقلم: مولانا محمد یاسین خان صاحب قاسمی، مدرس جامعہ مرکز العلوم ہیگڑے نگر بنگلور

تمہید:

''حارث'' ایک اچھا اور منتخب و مستحب نام ہے۔متعدد و معتبر احادیث میں اِس نام کا نہ صرف بیانِ جواز؛ انتخاب و تجویز اور تعریف و توصیف صراحتاً منقول ہے، صحابۂ عظام میں کئی حضرات کا نام ہے، عرب اور زمانۂ رسالت کے مشہور ناموں میں سے ہے، امت کے طبقۂ عوام وخواص میں پہلی صدی سے بلانکیر رائج ہے، رائمہ و محققین نے اس کو ''اللہ و رسول اللہ'' کے عزیز ترین ناموں مس ی شمار فرمایا ہے۔

لیکن حیرت ناک بات ہے کہ آج کل سوشل میڈیا پر پڑوسی ملک کے ہمارے بزرگ عالمِ دین کے بعض بیانات، سوشل میڈیا پر پھیلائے جا رہے ہیں، جن میں بڑی شدت کے ساتھ چند باتیں کہی گئی ہیں: (۱)''حارث'' شیطان کا نام ہے، یہ نام رکھنا شیطانی باپ اور شیطانی بیٹا کہلانا ہے (۲) یہ نام معیوب وقبیح ہے، یہ نام رکھنا ناجائز ہے (۳) دلیل یہ ہے کہ: ترمذی اور مستدرک حاکم کی روایت میں اِس کو شیطانی نام کہا گیا ہے (۴) علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے (فوائد تفسیر) میں یہی بات لکھی ہے (۵) صحابہؓ میں ایک کا بھی نام ''حارث'' نہیں ہے۔

درج بالا خیالات پر مشتمل حضرت کے بیانات، متعدد افراد کی طرف سے راقم کے پاس بھیجے جاتے رہے، اِس بابت سوالات کیے جاتے رہے اور ہر بار راقم کی طرف سے مختصر جواب ہی دیا جاتا رہا، اور یہ خاک نشین اسی کو کافی سمجھتا رہا؛ مگر اب مستقل و مفصل سطور لکھنے پر آمادہ ہونا پڑا، جس کی چند اہم وجوہات یہ ہیں:

❖ بعض طلبہ کی طرف سے پوچھا گیا کہ: ایک طرف (جلالین) میں یہ روایتِ ترمذی ہے، جس میں کہا گیا کہ: حارث، شیطان کا نام ہے، شیطان کی طرف اِس نام کی نسبت کہتی ہے کہ: یہ نام، معیوب و مذموم ہے، اور یہ نام رکھنا قبیح و ناجائز ہے۔ دوسری طرف (مشکاۃ) میں ایک حدیث ہے، جس میں اِس نام کی صریح تعریف اور شان دار تحسین منصوص ہے۔ یہ تعریف ومنقبت دلالت کرتی ہے کہ: یہ نام، حسین و بہترین ہے، یہ نام رکھنا، نہ صرف مباح و جائز؛ بلکہ محبوب و عزیز ہے۔ (یہ تعارض کی شکل ہے، جو محتاجِ حل ہے)

❖ راقم کے بعض اساتذۂ عظام نے اور شہر کے بعض حضراتِ علماء نے فرمایا کہ: چوں کہ ان بیانات میں

حدیث اور علامہ عثمانی کا حوالہ دیا گیا ہے؛ اِس لیے یہ بیانات زیادہ شائع ہو رہے ہیں؛ نیز جنھوں نے یہ نام رکھا ہے؛ اِسی طرح جن علماء نے مسئلہ بتایا کہ یہ نام، اچھا اور جائز ہے؛ اُن کے لیے حضرت کے بیانات، زیادہ باعثِ اشکال اور موجبِ اضطراب بن گئے ہیں۔

❖ وہ افراد کہ جن کا نام: حارث ہے؛ اُن میں سے بعض کو افسوس و دُکھ کا اظہار کرتے دیکھا گیا کہ: ہائے! یہ کیا ہو گیا، ایک قبیح و منحوس اور شیطانی نام زندگی بھر کے لیے ہمارے ساتھ لگ گیا۔ اے کاش! نام رکھنے والے معلوم کر لیتے تو کتنا اچھا ہوتا۔ بعضوں نے کہا کہ: ہم اس نام کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں؛ مگر قانونی و ضروری دستاویزات میں درج ہونے کی وجہ سے تبدیل کرنا بہت دشوار اور تقریباً ناممکن ہے۔ (ایسے افراد کے لیے اِن بیانات کے بعد نام تبدیل نہ کر پانا اور سننا وسنانا، لکھنا ولکھوانا واقعی ایک صبر آزما مسئلہ ہے)

الغرض درج بالا صورتِ واقعہ اور حضراتِ اساتذہ وعلماء کے حکم ومطالبے کے بعد یہ سطور پیش کر رہا ہوں۔۔۔ مگر اس وقت اِس مضمون میں صرف ''حارث'' نام کے جواز واستحباب پر دلالت کرنے والے صریح نصوص اور دلائل وشواہد پیش کرتا ہوں؛ لہٰذا عرض ہے:

تصدیق وتائید والی احادیث:

❑ (صحیح بخاری شریف) کی دوسری حدیث میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

''إِنَّ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰه! كَيْفَ يَأْتِيْكَ الْوَحْيُ؟

''حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! آپ پر جو وحی نازل ہوتی ہے، اُس کی کیفیت کیا ہوتی ہے؟(۱)

❑ سورۂ حجرات کی آیت نمبر:٦ کے شانِ نزول میں مذکور ہے کہ:

حضرت حارث بن ضرار رضی اللہ عنہ سے متعلق کسی مسئلے میں ایک صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کی اور کہا: ''إِنَّ الْحَارِثَ مَنَعَنِي الزَّكَاةَ''. (۲)

❑ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں:

ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت حارث بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے اُن کا حال پوچھا: ''كَيْفَ أَصْبَحْتَ يَاحَارِثُ؟''۔ اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اُن کے اِسی نام سے خطاب کیا-اور فرمایا:"یَاحَارِثُ! عَرَفْتَ فَالْزَمْ". (۳)

❑ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو جب دل کا درد لاحق ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی عیادت کے لیے اُن کے گھر تشریف لے گئے، اُس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو مشورہ دیتے ہوئے ارشادفرمایا:"اِئْتِ الْحَارِثَ بْنَ کَلْدَۃَ" آپ کو حارث بن کلدہ کے پاس جانا چاہیے۔(۴)

یہ صحیح ومعتبر"تقریری احادیث" ہیں؛ جن سے صاف ظاہر ہے کہ:

○ تین حضراتِ صحابہ کا نام"حارث" رہا ہے: (۱) حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ: آپ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لانے والے فضلاءِ صحابہ میں سے ہیں (۲) حارث بن ضرار رضی اللہ عنہ: آپ اُمّ المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد ماجد اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر ہیں (۳) حارث بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ؛ آپ تو مشہور ترین صحابہ میں سے ہیں۔

○ چوتھی حدیث میں جو حارث بن کلدہ ہیں، وہ عرب کے مشہور حکیم ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ: صحابہ میں سے ہیں؛ بعض کہتے ہیں کہ: صحابی نہیں تھے؛ البتہ اچھے انسان تھے۔

○ آپ علیہ السلام نے علاج کے لیے حارث بن کلدہ کے پاس جانے کا مشورہ دیا ہے؛ جو کہ نیک فالی اور نیک توقع کی طرف مشیر ہے۔

○ آپ علیہ السلام سے"حارث" نام کو سننا اور اس کا تکلم فرمانا، پھر اس نام پر حرفِ نکیر وتنقید نہ کرنا، ثابت ومروی ہے۔ اگر یہ نام، کسی بھی وجہ سے غلط، بلکہ تھوڑا بھی ناپسندیدہ ہوتا، تو آپ علیہ السلام اس پر سکوت نہ فرماتے۔

اِن احادیثِ اربعہ سے معلوم ہوا کہ"حارث" نام کے جائز وصحیح ہونے پر آپ علیہ السلام سے"عملی" تائید وتصدیق یعنی"تقریر" ثابت وماثور ہے۔ اور وہ بھی متعدد مواقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ"تقریر" فرمائی ہے۔

صریح حکم اور انتخاب والی احادیث:

❖ حضرت سبرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میرے دادا، میرے والد کو لے کر آپ علیہ السلام کی خدمت میں تشریف لائے، آپ علیہ السلام نے اُن سے پوچھا: آپ کے کتنے لڑکے ہیں؟ والد صاحب نے عرض کیا: تین ہیں: عبدالعزیٰ، سبرہ اور حارث۔ آپ علیہ السلام نے ارشادفرمایا:"لَاتُسَمِّ عَبْدَ الْعُزّٰی، وَسَمِّ عَبْدَ اللّٰہِ وَعُبَیْدَ اللّٰہِ وَالْحَارِثَ وَھَمَّامًا" عبدالعزیٰ نام مت رکھو؛ عبداللہ، عبیداللہ، حارث اور ہمام رکھو۔ پھر آپ علیہ السلام نے اُن کو دعا دی؛ جس کی برکت سے وہ سب آج بلند مقام پر فائز ہیں۔(۵)

❖ حضرت عبداللہ بن جراد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ایک سفر میں علاقۂ (موتہ) کا رہنے والا ایک آدمی میرے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اُس نے پوچھا: یارسول اللہ! میرے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے، ایک بہترین نام تجویز فرمادیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "إِنَّ خَيْرَ اَسْمَاءِ كُمُ الْحَارِث وَالْهَمَّام"، تمہارے ناموں میں خیر و برکت والے نام یہ ہیں: حارث اور ہمام۔ (٦)

غور فرمائیں:

○ پہلی حدیث میں "حارث" نام رکھنے کا اشارہ "سَمِّ" کی تعبیر میں ہے، جو کہ امر کا فعل وصیغہ ہے، جو وجوب وتاکید پر دلالت کرتا ہے، دوسری حدیث میں "إِنَّ" حرف ہے، جو تاکید کے لیے آتا ہے، جس کا ترجمہ: بے شک، بلاشبہ، یقیناً ہے۔ مزید یہ کہ "خَیر" کا کلمہ اور تفصیل کا صیغہ ہے، جس کا مفہوم: زیادہ عمدہ و بہتر، زیادہ خوب اور برتر ہے۔

○ ناموں کے انتخاب کا مسئلہ، بہت اہم ہوتا ہے؛ کیوں کہ یہ نام دنیاوی اور اُخروی زندگیوں میں انسان کے لیے اُس کا شخصی تعارف وذاتی پہچان ہوتا ہے۔ شریعت وسنت میں اچھے ناموں کی شدید تاکید ونصیحت منقول ہے۔ اب ایسے اہم موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابی کے لختِ جگر کے لیے "حارث" نام کا انتخاب وتجویز فرما رہے ہیں؛ نہ صرف انتخاب وتجویز؛ بلکہ اس نام کی شاندار تعریف وتوصیف فرما رہے ہیں۔

○ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضمناً وتبعاً نہیں، قصداً اور اصلاً اس نام کو منتخب وعزیز اور خیر و برکت والا فرمایا ہے۔

○ دو اور صحابہ ہیں، جن کا نام "حارث" ہے، اُن کے لیے یہ نام، خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا ہے۔

توصیف وتعریف والی احادیث:

❖ حضرت ابووہب جُشَمِی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"أَحَبُّ الْأَسْمَاءِ إِلَى اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ، وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ، وَأَصْدَقُهَا حَارِثٌ، وَهَمَّامٌ"، اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزیز ترین نام: ایک "عبداللہ" ہے، ایک "عبدالرحمٰن" ہے؛ نیز سچے ناموں میں زیادہ سچا نام "حارث" اور "ہمام" ہے۔ (٧)

❖ حضرت ابوسبرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ مِنْ خَيْرِ اَسْمَاءِ كُمْ عَبْدُ اللّٰهِ، وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ، وَالْحَارِث" بلاشبہ تمہارے ناموں میں زیادہ عمدہ بہترین نام یہ ہیں: عبداللہ، عبدالرحمٰن اور حارث۔ (٨)

❖ حضرت ابوسبرہ رضی اللہ عنہ کی اِسی حدیث کی دوسری تعبیر ہے:

”إِنَّ مِنْ أَحَقِّ أَسْمَاءِ كُمْ –أَوْ مِنْ خَيْرِ أَسْمَاءِ كُمْ– إِن سَمَّيْتُمْ عَبْدَ اللّٰهِ، وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَالْحَارِثُ“. (۹)

❖ حضرت امام عبداللہ بن عامر یحصبی رحمۃ اللہ علیہ کی مرسل روایت ہے:

”أن النبي صلّى اللّٰه عليه وسلم قال: خير الأسماء عبد اللّٰه وعبد الرحمٰن (ونحو هٰذا) وأصدق الأسماء الحارث وهمام (حارث لدنياه ولدينه، وهمام بهما) وشر الأسماء حرب ومرة“. (۱۰)

یہ چار صریح احادیثِ مرفوعہ ہیں، جن میں نص وصراحت ہے کہ ”حارث“ نام، نہ صرف مباح وجائز ہے؛ بلکہ منتخب اور مستحب نام ہے۔ بھلائیوں اور برکتوں والا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس کی تعریف میں ایک نہیں تین کلمات، ماثور ہیں: اصدق، خیر اور احق۔ یہ تینوں تعریفی ارشادات، تفضیل کے صیغے واسلوب میں وارد ہیں۔

غور اور جوب طلب سوالات: اب تھوڑی دیر کے لیے قاری سوچے کہ: ”حارث“ نام کا مسئلہ منصوص ہے یا غیر منصوص ہے؟ یہ دس احادیث اور اُن کا مجموعہ ”حارث“ نام کے جواز واستحباب پر دلالت کرنے کے لیے کافی ہے، یا نہیں؟ احادیث کا یہ مجموعہ ”ظاہر، نص، مفسر اور محکم“ یعنی دلالت وظہورِ معنیٰ کی جملہ اقسام کو شامل ہے یا نہیں؟ اور کیا اِن معتبر احادیث کے صریح بیانات کے بعد مذمت ومنع کی بات کرنا؛ بلکہ خیال کرنا بھی درست ہے یا نہیں؟

آٹھ بدری صحابہ کا نام: ”حارث“ ہے:

بخاری شریف کی حدیث صحیح ہے کہ: ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور پوچھا: آپ حضرات کے نزدیک اہلِ بدر کا مقام کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مِنْ أَفْضَلِ الْمُسْلِمِيْنَ“ کہ ہم ان حضرات کو مسلمان (یعنی جماعتِ صحابہ بھی) میں افضل اور بلند ترین مانتے ہیں۔ (۱۱)

اِس افضل المسلمین جماعت میں آٹھ بدری صحابہ وہ ہیں، جن کا نام ”حارث“ ہے۔ مشہور محدث ومؤرخ حضرت امام ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علامہ محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھ نام ذکر فرمائے ہیں:

(۱) حارث بن اَوس بن معاذ رضی اللہ عنہ (۲) حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ (۳) حارث بن نعمان رضی اللہ عنہ (۴) حارث بن قیس رضی اللہ عنہ (۵) حارث بن انس رضی اللہ عنہ (۶) حارث بن خزیمہ رضی اللہ عنہ (۷) حارث بن عرفجہ رضی اللہ عنہ (۸) حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ۔ (۱۲)

متعدد صحابہ کا نام ''حارث'' ہے:

سیرت اور تاریخِ صحابہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک دو نہیں؛ بلکہ متعدد صحابہ کا نام حارث ہے، جن کی تعداد ۱۰۰/اور اس سے زائد ہے۔ مستقل و مفصل تذکرہ تو درجِ ذیل کتابوں میں ہے۔ سرِ دست صرف حوالہ نقل کرتا ہوں، تفصیل کے لیے اِن کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔

امام ابنِ عبدالبر رحمہ اللہ نے (الاستيعاب في معرفة الأصحاب: ۱٤۲-۱٥۳، مطبوع دارالاعلام، اردن) میں ۶۴/افراد کا تذکرہ کیا ہے۔ جب کہ امام ابن الاثیر جزری رحمہ اللہ نے (أسد الغابة في معرفة الصحابة: ۱/٥۸٦-٦٤۷، مطبوع بیروت) میں ۱۵۴/افراد بنائے ہیں۔ امام ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے (الإصـابة في تمييز الصحابة: ۱/۲۸٦-۳۱۰، مطبوع کلکتہ) میں ۱۵۵/۔ اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے (تجريد اسماء الصحابة: ۱/۹٥-۱۱۱، مطبوع دارالکتب العلمیہ) میں ۱۵۶/کی حضرات اور اُن کے مختصر حالات لکھے ہیں۔

اِس سے معلوم ہوا کہ:

- ۱۰۰ سے زیادہ حضراتِ صحابہ کا نام ''حارث'' ہے، اگر سختی و تدقیق سے کام لیا جائے اور اس تعداد میں اختلافِ رائے ہو بھی جائے، تب بھی اتنی بڑی تعداد و مقدار ثابت و موجود ہے، جو اہلِ نقل و عقل کے نزدیک ''جمع کثرت'' اور ''شہرت'' بلکہ ''تواتر'' کی مقدار و تعداد ہے۔
- بدری صحابہ کی جماعت میں آٹھ صحابہ ''حارث'' نام والے ہیں۔ اِس ''أَفْضَلُ الْمُسْلِمِيْنَ'' جماعت میں اس نام کے صرف ایک صحابی بھی ہوتے تو بھی جواز اور استحباب کے لیے کافی تھا؛ یہاں تو آٹھ صحابہ ہیں۔ مطلب یہ کہ اس جماعت میں بھی اس نام کی ایک جماعت ہے۔
- بدری صحابہؓ کی فضیلت میں ''أَفْضَلُ الْمُسْلِمِيْنَ'' کی تعبیر منقول ہے اور آٹھ بدری صحابہ کا جو نام ہے یعنی: ''حارث'' اُس کے بارے میں ''أصدق، أحق، خير'' کی تعبیرات منقول ہیں۔ یعنی ایک جانب آٹھ بدری صحابہ کے ذاتی ناموں میں اور دوسری جانب ان کے جماعتی وصف میں، دونوں میں منقبت و خوبی اور فضیلت و برتری پر دلالت کرنے والے ایسے کلمات اور ایسے صیغے و اسلوب ہیں، جو بالذات فضل و کمال پر اور اس فضل و کمال کے اعلیٰ و بالا درجے پر دلالت کرتے ہیں۔

نوٹ: اصحابِ بدر کے اسماء اور ان کے ذکر میں عجیب خواص و برکات رکھی ہیں۔ علامہ قطب الدین خان دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے علماء و مشائخ کا تجربہ اور وظیفہ بیان کیا ہے کہ اصحابِ بدر کی نسبت اور ناموں کے وسیلے سے مانگی جانے والی دعائیں، شرفِ قبولیت سے نوازی جاتی ہیں۔ اس کے خاص وِرد سے کئی حضرات کو شفا

وبرکت ملی ہے، کئی حضرات کومعرفت وولایت نصیب ہوئی۔۔۔علامہ نے تمام اصحابِ بدر کی فہرست دی ہے۔ اِس میں اُن بدری صحابہ کا بھی ذکر ہے، جن کا نام ''حارث'' ہے۔ (۱۳)

جواز واستحباب پر تعامل اور تواتر قائم ہے:

اِس ''حارث'' نام کو صحابہ کے طبقے میں، تابعین وتبع تابعین اور ائمۂ دین کے زمانے میں؛ خواص وعوام مؤمنین کے درمیان ''تلقی بالامۃ'' کا درجہ حاصل ہے؛ چناں چہ اِس کا ''رواج وتعامل'' زمانۂ خیر القرون سے بلانکیر جاری ہے، اور بطور ''متواتر ومتوارث'' منقول ہے۔ کسی صحابی وتابعی، کسی مجتہد وامام اور کسی معتبر ومستند عالم وفقیہ سے اس پر لعن وطعن، جرح وقدح اور منع وخلاف منقول نہیں ہے۔۔۔ ظاہر ہے کہ جس نام کی تحسین پر احادیث کا ذخیرہ ہو اور زمانۂ رسالت سے خواص وعوام کا تعامل ہو؛ ایسے منصوص نام کا معمولِ عام ہونا، امت میں مقبولِ خواص وعوام ہونا، اور اس پر نکیر اور انکار منقول نہ ہونا؛ کیا ''اجماع'' کے حکم ودرجے میں نہیں ہے؟ کیا اِس صورتِ واقعہ کا نام: ''تواتر طبقہ'' نہیں ہے؟ کیا یہ صورتِ نقل وثبوت ''مفید یقین'' دلیل نہیں ہے؟ کیا اِس کے خلاف منع ومذمت کی بات، لائقِ سماع ہے؟

''حارث'' نام کی فضیلت پر ائمہ کے بیانات:

(۱) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (الادب المفرد) میں ''**باب أحب الاسماء إلى الله**'' کے تحت۔

(۲) امام ابنِ قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ (غریب الحدیث) میں مستحب ناموں کے تحت، حسین تشریح کے ساتھ۔

(۳) امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب (مجمع الزوائد) میں ''**باب مایستحب من الاسماء**'' کے تحت۔

(۴) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی معروف کتاب (الاذکار) میں ''**باب بیان أحب الاسماء إلى الله**'' کے تحت۔

(۵) امام ابن القیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ (تحفۃ المودود باحکام المولود) میں ''**مایستحب من الاسماء**'' کی فصل میں۔

(۶) امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب (شرح السنہ) میں ''**تحسين الاسماء**'' کے بعد اسمائے انبیاء کی فصل میں۔

(۷) امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ (السنن الکبریٰ) میں ''**باب مایستحب أن یسمّی به**'' کے؛ اپنی دوسری کتاب (الآداب) میں ''**باب مایستحب أن یسمّیٰ به الولد**'' میں۔

(۸) امام ابن الاثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ نے (جامع الاصول) میں "تحسین الاسماء ومایکرہ منھا" کے زیرِ عنوان، مستحسن ناموں کے ہمراہ، اس نام کی مختصر توضیح کے ساتھ۔۔۔ مذکورہ ائمہ نے مذکورہ فصول وعناوین کے تحت وہ حدیث ذکر فرمائی ہے، جس میں اِس نام کے متعلق "أصدق" کی تعبیر منصوص ومنقول ہے۔

نوٹ: یہ تو سبھی کو معلوم ہے کہ ائمہ کے قائم کردہ عناوین، دراصل اُن کی علمی وسعت وگیرائی اور فقہی بصیرت وگہرائی کا حاصل ہوتے ہیں؛ لہٰذا درج بالا ابواب وعناوین پر نظر فرمائیں کہ جن میں "تحسین" اور "یستحب" کے کلمات ہیں۔ امام بخاری اور امام نووی رحمہما اللہ تعالیٰ کے کلام میں تو "باب بیان أحب الاسماء إلی اللّٰہ" کی صریح وجلی عبارت ہے۔ اِن ائمہ نے اِنھی عناوین کے تحت وہ روایت نقل فرمائی ہے، جن میں "حارث" عربوں کا پسندیدہ اور مشہور نام ہے۔

اس کے بعد عرض کردوں کہ بے شمار صحابہؓ وصحابیاتؓ اور بے شمار انسانوں کے آباء واجداد کا نام حارث رہا ہے۔ بلکہ صدیوں سے عربوں کے درمیان یہ نام، ممتاز ومتعارف چلا آرہا ہے۔ امام سمعانی رحمۃ اللہ علیہ کی "الانتساب" اور امام ابنِ حزم رحمۃ اللہ علیہ کی "جمہرۃ انساب العرب" صرف ان دو کتابوں کا مطالعہ کرلیں، آپ کو متعدد افراد کی درازترین فہرست نظر آئے گی۔ ذیل میں چند مشہورترین افراد کا مختصرترین ذکر یہ ہے:

- حارث بن عبدالمطلب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمِ محترم ہیں، جن کا خاندان، ساداتِ قریش میں سے اور جو "بنوحارث" سے سیرت وتاریخ اور فقہ کی کتابوں میں مذکور ومشہور ہے۔۔۔ حارث بن عبدالعزیٰ بن رفاعہ سعدی، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی پدر ماجد ہیں، حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر ہیں؛ اصحابِ سیرت کے درمیان مشہور ہیں۔۔۔ حارث بن حزن، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر اور اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے والد ہیں۔ اِسی طرح اُمّ المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام بھی حارث ہے۔۔۔ حارث بن عباد کو کون نہیں جانتا؟ جو زمانۂ جاہلیت کے مشہور سیاست دان اور مشہور شاعر ہیں، جن کا دیوان اُن کے اِسی نام سے معروف ہے۔۔۔ حارث بن حلزہ یشکری، جس نے ڈیڑھ سو سال کے قریب عمر پائی۔ جو اصحابِ معلقات میں سے ہے، اور جس کا ذکر عربی ادب واشعار میں مشہور ہے۔۔۔ حارث بن کلدہ عرب کے مشہور حکیم وطبیب ہیں، جن کے طبی اقوال آج بھی معروفِ زمانہ ہیں۔۔۔ ان کے علاوہ حارث بن قتیبہ، حارث بن عوف، حارث بن سہم، حارث بن اسد بن عبدالعزیٰ، حارث بن امرء القیس، حارث بن تمیم، حارث بن زہرہ بن کلاب، حارث بن صعصعہ بھی ہیں، جو اپنے وقت سے آج تک عربی تاریخ وادب کی دنیا میں بے حد مشہور ہیں۔

○ بہت سارے افراد تو وہ ہیں کہ تنہا انھی کا نہیں؛ بلکہ اُن کے والد اور دادا کا بھی نام ''حارث'' ہے۔ مثلاً: حارث بن نوفل بن الحارث۔ حارث بن رفاعہ بن الحارث وغیرہ۔ اور جیسے: الحارث بن الحارث ازدی، الحارث بن الحارث الاشعری، الحارث بن الحارث الغامدی، الحارث بن الحارث قرشی، الحارث بن الحارث بن کلدہ، الحارث بن اطب بن الحارث، الحارث بن قیس بن الحارث وغیرہ۔

''حارث'' نامی چند مشہور سلفِ صالحین کا مختصر ترین تذکرہ:

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ بے شمار تابعین، تبع تابعین، فقہاء ومحدثین اور سلفِ صالحین ہیں، جن کا نام ''حارث'' رہا ہے۔ بعض نہایت مشہور سلفِ صالحیان کا مختصر ترین تذکرہ بطور نمونہ ''قطرہ از دریا'' پیش ہے:

○ حارث بن سوید تیمی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہم کے شاگرد اور صحاح کے راوی ہیں۔ کسی نے امام احمد رحمہ اللہ سے اِن کے بارے میں پوچھا، تو آپ نے جواب دیا: ان کی شان اِس قدر عظیم الشان ہے کہ ان کے بارے میں سوال کرنا ہی باعثِ حیرت وتعجب ہے؟

○ حارث بن مسکین رحمۃ اللہ علیہ۔ مشہور محدث ہیں، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں، مسئلہ خلقِ قرآن میں امام احمد رحمہ اللہ کی طرح ثابت قدم رہے اور ہر تکلیف پر صبر کرتے رہے۔ حضرت کی زندگی میں ایک شخص کا انتقال ہوگیا، کسی نے اُس شخص کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کیا ہوا؟ اُس نے بتایا: میری نمازِ جنازہ میں حارث بن مسکین کی تشریف آوری کی برکت اور اُن کی دعاءِ سفارش سے اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرمادی۔

○ حارث بن اسد محاسبی رحمۃ اللہ علیہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ہیں۔ امام ابن الملقن رحمۃ اللہ علیہ (طبقات الاولیا: ۲۹/۱) میں لکھتے ہیں: ''**الجامع بين الظاهر و الباطن**'' آپ علومِ ظاہری وباطنی کے جامع ہیں۔

○ حارث بن الجارود رحمۃ اللہ علیہ۔ جو امام عُکلی سے معروف ہیں، اور جو کوفہ کے ائمہ وفقہاء میں سے ہیں، جو مجتہدین کی طرح صاحبِ مذہب اور امامِ مجتہد تھے۔

○ حارث بن محمد بن ابواُسامہ رحمۃ اللہ علیہ۔ امامِ حدیث ہیں، اِن کی ایک کتاب ''مسند حارث'' ہے جو ر اِسی نام سے مشہورِ زمانہ ہے۔ امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے (حلیۃ الاولیاء) میں بہ کثرت اِن سے روایات نقل کی ہیں۔

○ حارث بن یزید حضرمی رحمۃ اللہ علیہ۔ جو مسلم، ابوداوٗد، نسائی اور ابنِ ماجہ کے ثقہ راویوں میں سے ہیں۔ منقول ہے کہ یہ عظیم زاہد وعابد تھے، ہر دن چھ سو رکعات نماز پڑھتے تھے۔

○ حارث بن یعقوب رحمۃ اللہ علیہ۔ جو مصر کے جلیل القدر عابدین ومحدثین میں سے ہیں۔ ان کا

معمول تھا کہ روزانہ رات کو دو رکعت نفل نماز وقتِ سحر تک پڑھتے اور استغراق کی کیفیت میں رہتے۔

○ حارث بن سعید کوفی رحمۃ اللہ علیہ۔جلیل القدر محدث اور عظیم تابعی ہیں، بخاری، مسلم، ابوداوٗد، نسائی اور دیگر کتبِ حدیث میں اِن کی روایات کثرت سے مروی ہیں۔ (۱۴)

’’حارث‘‘ نام کے جواز کا ایک صریح فتویٰ:

حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجموعۂ فتاویٰ (آپ کے مسائل اور اُن کا حل) میں ہے:

سوال: کیا حارث اسلامی نام ہے؟ اور اِس کے لفظی معنیٰ کیا ہیں؟

جواب: حارث، صحیح نام ہے، اِس کے معنیٰ ہیں: کھیتی کرنے والا، محنت کرنے والا۔

سوال: میرے بیٹے کا نام ’’حارث‘‘ ہے۔ اور مجھے ’’حارث‘‘ نام کے متعلق یہ پتا چلا ہے کہ یہ نام، شیطان کے ناموں میں سے ایک نام ہے، تو کیا یہ جاننے کے بعد نام تبدیل کر لینا چاہیے؟

جواب: نہیں! صحیح نام ہے، تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مولانا مفتی سعید احمد صاحب جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ اس جواب کو مدلل اور مستند کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ’’کیوں کہ متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ نام تھا، مثلاً: حارث بن انس رضی اللہ عنہ، حارث بن خزیمہ رضی اللہ عنہ وغیرہ‘‘۔ (۱۵)

اِس پورے کلام کا حاصل وخلاصہ یہ کہ:

(۱) ’’حارث‘‘ نام: **أصدق الاسماء، أحق الاسماء، خیر الاسماء** اور **أفضل الاسماء** ہے۔ یعنی یہ نہ صرف جائز ومباح ہے؛ بلکہ افضل واعلیٰ ہے، منتخب ومستحب ہے۔

(۲) اس کے جواز واستحباب اور تفصیل وتعریف پر دس معتبر مرفوع احادیث، منصوص ومنقول ہیں۔

(۳) اس نام سے صحابہ کی بڑی جماعت وتعداد موسوم ہے، جس میں آٹھ بدری صحابہ بھی ہیں۔

(۴) زمانۂ رسالت میں یہ نام، بلا نکیر متعارف ومروج رہا ہے۔

(۵) صدرِ اوّل سے آج تک اِس نام کا انتخاب اور تعامل، متوارث ہے۔

(۶) ائمہ ومحققین نے خود اپنے قلم سے اِس نام کو مستحب وپسندیدہ ناموں میں شمار فرمایا ہے۔

(۷) اب ہمارے سامنے اِن جملہ دلائل وشواہد کا مجموعہ ہے۔

حواشی وحوالہ جات

(١)-الصحيح للبخاري:٢۔

(٢)-المسند لأحمد: ١٨٤٥٩؛ التفسير لابن كثير: ٣٧٠/٧۔حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اِس کی سند کو ''جید'' فرماتے ہیں۔امام ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:''رجال أحمد ثقات'' ۔امام ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:''مِنْ أَحْسَنِهَا مَارَوَاهُ الإمام أحمد''۔الدر المنثور:٥٤٥/١٣؛مجمع الزوائد:٢٣٩/٧؛ التفسير لابن كثير: ٣٧٠/٧۔

(٣)-أسد الغابة: ٦٣٥/١؛ المعجم الكبير: ٣٠٢/٣۔اِس حدیث کی متعدد سندیں ہیں، ہر ایک میں ضعف ہے، تاہم مجموعۃ الاسانید ثبوت کے لیے کافی شافی ہے۔مشہور محقق حضرت شیخ عوامہ زید مجدہٗ لکھتے ہیں:''خــــــلاصة ذٰلک: أن اسناد المصنف، وابن المبارک، وعبدالرزاق كافٍ لإثبات أصل الحديث''. المصنف لابن أبي شيبة مع تحقيق الشيخ عوامة:٦٢٢/١٥۔

(٤)-السنن لأبي داؤد:٣٨٧٥؛ الأحاديث المختارة للمقدسي:١٠٥٠۔

(٥)-المعجم الكبير للطبراني: ٦٥٥٩،مکتبہ ابنِ تیمیہ،قاہرہ۔یہ واقعہ(معجم کبیر) میں مروی ہے؛مگر راقم کے پاس موجود نسخے میں ''وَسَمِّ عَبْدَ اللّٰه وعُبَيْدَ الله، والحارثَ وَهَمَّامًا'' والا متن نہیں ملا۔یہ متن امام ہیثمی نے (مجمع الزوائد: ١٣٤/١٦،رقم:١٢٨٨١،مکتبہ دار المنہاج للنشر والتوزیع،جدہ) میں نقل فرمایا ہے۔امام ہیثمی کی نقل پر اعتماد کرتے ہوئے راقم نے یہاں یہ متن نقل کیا ہے۔امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:اس کی سند میں حجاج بن ارطاۃ راوی ہے،جس میں تھوڑا ضعف ہے،بقیہ تمام راوی (صحیح) کے راوی ہیں۔

راقم کہتا ہے کہ:یہ ضعف قابلِ انجبار ہے اور حدیث،حسن لغیرہ ہے۔

(٦)-شعب الإيمان: ١١٩/١١،مکتبہ الرشد،ریاض؛التاريخ الكبير: ٣٥/٥،دار الکتب العلمیہ،بیروت)اِس کی سند کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:في إسناده نظر. (مجمع الزوائد: ١٣٤/١٦،رقم:١٢٨٨١؛التاریخ الکبیر:٣٥/٥)۔

راقم کہتا ہے کہ:یہ روایت اگرچہ سنداً ضعیف ہے؛لیکن دیگر شواہد وآثار سے متناً مؤید وقوی ہے؛لہٰذا حسن لغیرہ ہے۔

(٧)-الأدب المفرد: ٨١٤؛ السنن لأبي داؤد: ٤٩٢٩؛المسند للموصلي: ١٦٩٧؛السنن الكبرىٰ للبيهقي: ١٩٣٠٧۔

(٨)-المسند لأحمد:١٧٦٠٦؛ المعجم الكبير للطبراني:٥٤٧۔

(٩)-المسند لأحمد: ١٧٦٠٦،تحقیق شعیب ارنؤوط وعادل مرشد،مطبوع مؤسسۃ الرسالہ۔

(۱۰)-امام عبداللہ بن وہب بن مسلم قرشی مصری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۹۷ھ) کی تالیف (الجامع فی الحدیث) جو ڈاکٹر مصطفیٰ حسن حسین محمد ابوالخیر، استاذِ قاہرہ یونیورسٹی کی تخریج کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ اُس میں اس کی سند یوں نقل ہوئی ہے:

"أخبرني ابن لهيعة عن جعفر بن ربيعة عن ربيعة بن يزيد عن عبد الله بن عامر اليحصبي أن النبي صلّى الله عليه وسلم۔الجامع في الحديث لابن وهب: ص ٩٧/، رقم: ٥٣" مکتبہ: دار ابن الجوزی۔

(۱۱)-الصحيح للبخاري: ٣٩٩٢۔

(۱۲)-البداية والنهاية: ٥/٢٢٠؛ سیرۃ المصطفیٰ: ٢/١٣٣-١٤٢۔

(۱۳)-مظاہر حق جدید: ٥/٨٢٥۔

(۱۴)-زیدا ستیعاب وتفصیل کے لیے مطالعہ کریں: الوافی بالوفیات: ١١/١٨٤-٢٠٤۔

(۱۵)-آپ کے مسائل اور اُن کا حل: ٨/٢٦٦، مکتبہ لدھیانوی۔

❑❖❑